در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

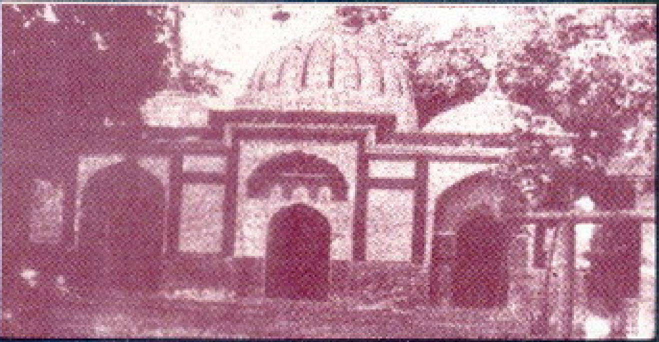

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

"شاہ محمد غوث" اکیڈمی یکہ توت، پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ
بیادگار حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۳۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

بانی مدیر
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

مدیر اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۳۱۳-۳۱۴
جلد نمبر ۲۷

یکم تا ۳۰ نومبر ۲۰۰۵ء
شوال المکرم سنہ ۱۴۲۶ھ

مدیر اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز
قصہ خوانی بازار پشاور سے طبع کرکے یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

انّ اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	اقبال ریاض	۳
۱	نعت رسول مقبول ﷺ	مسعود مضطر ہزاروی	۴
۳	انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ	حضرت سید محمد امیر شاہ قادری ؒ	۵
۴	دراسات الحسنیہ	حضرت سید محمد امیر شاہ قادری ؒ	۱۸
۵	نعت شریف	حافظ عبدالغفار حافظ	۲۶
۶	نورِ مصطفیٰ وسیلہ نورِ رب العلیٰ	الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی	۲۷
۷	روحِ اسلام تصوف	ڈاکٹر محمد عطاء اللہ قادری جلوی	۳۶
۸	زندگانی تیری مہتاب سے تابندہ تر	سید پیر محمد شاہ	۴۸
۹	غزل	مظفر وارثی	۵۱
۱۰	ارشاداتِ غوث الصمدانی ؓ	مرتب: سید کامران شاہ بخاری	۵۲
۱۱	تبصرہ کتب (اغثنی یارسول اللہ)	سید محمد انور شاہ قادری	۶۲
۱۲	غزل	اختر انصاری دہلوی	۶۴

شذرہ

جعلی ادویات کی تیاری اور حکومتی اقدامات

اقبال ریاض

اخبارات میں آئے روز جہاں زیادہ منافع خوری اور دولت کمانے کیلئے سمگلنگ، بلیک مارکیٹنگ، ملاوٹ اور دوسرے دھندوں سے متعلق خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں وہاں اب جان بچانے والی ادویات میں بھی ملاوٹ کا مذموم کاروبار چل نکلا ہے۔ جس میں مبینہ طور پر کچھ ادویات فروشوں، ادویہ ساز کمپنیوں کے علاوہ انسانیت کی خدمت کے دعوئ دار بعض ڈاکٹر صاحبان بھی ملوث بتائے جاتے ہیں۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ جعلی ادویات سے زیادہ تر غریب اور متوسط طبقہ کے مریضوں کو ہی واسطہ پڑتا ہے جو انہیں سستی سمجھ کر خرید لیتے ہیں اور یہ دوائیں انہیں تندرست کرنے اور شفایاب کرنے کی بجائے کئی دیگر پیچیدہ امراض میں مبتلا کر دینے کا باعث بن جاتی ہیں۔ ان ادویات کے علاوہ ایسے انجکشنوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جو جعلی ہونے کے باوجود بھاری قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔ حیرت اور افسوس اس امر پر ہے کہ صفائی کے فقدان اور آلودگی کے غیر صحت مندانہ ماحول کے ساتھ اشیاء خوردنی میں ملاوٹ پہلے ہی امراض میں اضافے کا سبب بنی ہوئی ہے اور اس پر زندگی بچانے والی بعض ادویات میں بھی ملاوٹ کا کاروبار شروع ہو جائے تو اعتماد کس پر کیا جا سکتا ہے؟

جہاں تک اس قسم کے کاروبار میں ملوث دوا ساز کمپنیوں کا تعلق ہے دولت یقیناً انہیں بھی پیاری ہوگی لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ انسانی جان بڑی قیمتی ہے۔ انسانی جان کو بچانے کی کوشش کرنے کی بجائے اس سے کھیلنا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے جو کسی وقت بھی نازل ہو سکتا ہے۔

بہرحال عوامی شکایات اور مطالبات کی بناء پر حکومت سرحد نے بھی اس سلسلہ میں ہیلتھ ریگولیٹری اتھارٹی قائم کر رکھی ہے جس کو آرڈیننس ۲۰۰۲ میں ترمیم کر کے مزید فعال بنایا جا رہا ہے اور یہ اقدامات اسلئے کئے گئے ہیں تاکہ جعلی ادویات بنانے والوں اور اس کاروبار میں ملوث افراد اور ''مسیحا'' کے علاوہ بازاری حکیموں اور عطائیوں کی سرگرمیوں کا بھی محاسبہ کیا جا سکے۔

نعت شریف

مسعود مظفر ہزاروی

جس کی دربارِ پیمبر میں رسائی ہو گئی
وہ خدا کا ہو گیا، اس کی خدائی ہو گئی
اس کے کشکولِ طلب میں ہے جہاں کی سروری
جس کو حاصل آپ کے در کی گدائی ہو گئی
آپ سے پہلے تھی ہر سو تیرگی ہی تیرگی
آپ آئے روشنی کی رونمائی ہو گئی
اللہ اللہ آپ کا وہ مرہم لطف و نظر
جبر کے ناسور کی یکسر صفائی ہو گئی
جب اٹھایا چہرۂ ختم نبوت سے نقاب
آپ کے جلوؤں کی اک دنیا فدائی ہو گئی
آپ جب آئے شبستاں میں اجالے اوڑھ کر
ظلمتوں میں گمرہوں کی رہنمائی ہو گئی
ہجر سرکارِ دو عالم میں ہوا جب بے قرار
اشک آنکھوں سے بہے دل کی دھلائی ہو گئی
کاش ایسے میں ہو امت پر نگاہِ التفات
قصہ پارینہ امت کی اکائی ہو گئی
آپ نے مظفر کے سینے میں بہائے ہیں فرات
زندگی کی ہر ادا جب کربلائی ہو گئی

گزشتہ سے پیوستہ

انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث

حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ نَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ باب حضور پاک ﷺ کے پاپوش مبارک کے ذکر میں ہے۔

(اس باب میں گیارہ احادیث ہیں)

حل لغات نعل: جوتا، کفش، پاپوش، ما وقیت به القدم عن الارض، وہ چیز جس سے قدم کو زمین پر لگنے سے بچایا جائے۔

تشریح اس باب میں حضور رحمت للعالمین، شفیع المذنبین، صاحب قاب قوسین او ادنیٰ، احمد مجتبیٰ جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پاپوش مبارک کا ذکر ہے کہ وہ بیچ سے باریک اور پتلی، ایڑی دار اور زبان کی شکل کی طرح تھی۔ داہنی جانب سے جوتا مبارک پہنتے، دونوں جوتے پہنتے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آنحضور سرور عالم وعالمیان ﷺ کے جوتے مبارک محفوظ تھے جن کی زیارت صحابہ کرام رضوان

اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر اصحاب کرتے۔

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "آپ ﷺ نے ایک خاص قسم کا جوتا بھی پہنا جسے تاسومہ کہا جاتا تھا۔"

حدیث نمبر ۷۳/۱ حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابو داؤد حدثنا همام عن قتادة قلت لِاَنس بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ

ترجمہ قتادہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے پاپوش مبارک کیسے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ہر ایک کفش مبارک میں دو تسمے تھے۔

حل لغات نَعْلٌ: جوتا دینا، جانور کے پاؤں کو نعل لگانا، نَعْلٌ: جوتا۔ اَلْقِبَال: تسمہ، جب نعل کے ساتھ آئے تو جوتے کا تسمہ مراد ہے، عرب لوگ کہتے ہیں اَقْبَلَ نَعْلَه' یا قَابَلَ نَعْلَه' اپنی جوتی میں تسمہ لگایا

تشریح اس فقرہ سے کہ "حضور سرورِ کائنات ﷺ کے پاپوش مبارک کیسے تھے" صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا نبی کریم، رسول عظیم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت، فرمان برداری، محبت اور عشق کا کتنا پیار و والہانہ جذبہ کارفرما نظر آ رہا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے کسی بھی چلن میں اپنے پیارے محبوب ﷺ کی اتباع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی اور سرخروئی کا راز اسی میں مضمر سمجھتے تھے اور اسی ایک بات پر یقین کامل رکھتے تھے کہ حضور شفیع المذنبین ﷺ کے قدوم میمنت لزوم کے نیچے اور انہی مقدس جوتوں کے صدقہ ہی میں نجات اور بخشش ہے۔

اللھم ارزقنا اتباعه آمین بحرمت و بجاہ نبی روف رحیم

۱ "ہر ایک کفش مبارک" کا ترجمہ شیخ المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

ان نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کان لها قبالان بالافراد

یعنی یہ کہ حضور رسول کریم ﷺ کے ہر ایک پاپوش مبارک کے دو تسمے تھے۔ (جمع الوسائل، صفحہ ۱۲۹)

ارشاد ہے ”ہر کفش مبارک میں دو تسمے تھے“ یعنی ایک تسمہ انگوٹھا اور اس کے ساتھ والی انگلی میں تھا اور دوسرا تسمہ درمیان کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں ہوتا تھا۔ حضرت علامہ البیجوری ”المواہب اللدنیہ“ میں تحریر فرماتے ہیں

”و كان الله صلى الله عليه و اله وسلم يضع احد القبالين
بين الابهام والتى تليها و الاخرين الوسطى والتى تليها“

حدیث نمبر ۲/۷۴ حدثنا ابو كريب محمد بن العلاء حدثنا وكيع عن سفيان عن خالد الخداء عن عبدالله بن الحارث عن ابن عباس قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَالِهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثْنًى شِرَاكُهُمَا

ترجمہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے کفش مبارک کے وہ تسمے جو پشت قدم پر پڑتے تھے دوہرے تھے۔

حل لغات مُثْنٰی: دوہرے۔ شِراک: بالکسر جوتے کا تسمہ جو پشت قدم پر پڑتا ہے۔

تشریح ارشاد ہے ”وہ تسمے جو پشت قدم پر پڑتے تھے دوہرے تھے“ یعنی یہ تسمے مضبوط اور تنگ تھے تاکہ پاپوش مبارک پاؤں میں مضبوط جمارہے اور پاؤں جوتے سے باہر نہ نکل سکے۔ یہاں پر مُثنی مفعول واقع ہے یعنی ہر ہر تسمہ میں دو دو تسمے تھے، گویا ہر تسمہ دوہرا تھا۔

حدیث نمبر ۳/۷۵ حدثنا احمد بن منيع و يعقوب بن ابراهيم حدثنا ابو احمد الزبيرى حدثنا عيسى بن طهمان قَالَ اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ قَالَ فَحَدَّثَنِىْ ثَابِتٌ بَعْدُ عَنْ اَنَسٍ اَنَّهُمَا كَانَتَا نَعْلَىِ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَالِهٖ وَسَلَّمَ

ترجمہ عیسیٰ بن طہمان فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے حضور پاک ﷺ کی دو پاپوش مبارک جن پر بال نہ تھے ہمارے لئے نکالیں۔ ہر ایک پر دو دو تسمے تھے، فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ثابت نے مجھے بتایا کہ یہ دونوں نعلین پاک حضور نبی کریم ﷺ کے تھے۔

حل لغات جَرْدَاوَیْنِ: وہ جوتے جن پر بال نہ رہے ہوں، الجرد: بغیر نباتات والی جگہ۔

تشریح اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کے لباس اور دیگر پہناوے کو محفوظ رکھتے، ان کی زیارت کرواتے اور ان سے تیمن وتبرک اور شفاء حاصل کرتے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آپ ﷺ کے چند ملبوسات تھے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَۃُ کِسَآءً مُلَبَّدًا وَ اِزَارًا غَلِیْظًا
فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ ھٰذَیْنِ

یعنی جناب عائشہ صدیقہ نے ایک کمبلی جس پر بہت زیادہ پیوند لگے ہوئے تھے اور ایک موٹا تہبند نکال کر ہمیں بتایا اور فرمایا کہ حضور پاک ﷺ نے ان دونوں میں وصال فرمایا تھا۔

بخاری شریف میں ہے کہ ایک عورت حضور سید الکائنات ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک چادر لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ آپ خود بنفسِ نفیس اسے پہنیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسے لے لیا اور پھر اس کی تہبند باندھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاس تشریف لائے۔ صحابہ کرام میں سے ایک صاحب نے دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پہنا دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بہت اچھا۔ آنجناب ﷺ کچھ دیر مجلس میں تشریف فرما ہونے کے بعد چلے گئے اور پھر اس چادر کو لپیٹ کر واپس آئے اور اس صحابی کو بھیج دی جس نے وہ مانگی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ

تعالٰی علیہم اجمعین نے اس صحابی کو کہا کہ تو نے یہ چادر مانگ کر اچھا کام نہیں کیا حالانکہ تجھے علم ہے کہ حضور پاک ﷺ کسی ایک کا بھی سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابی نے ان کو جواب دیا

وَاللّٰہِ مَا سَئَلْتُھَا اِلَّا لِتَکُوْنَ کَفَنِیْ یَوْمَ اَمُوْتُ

مجھے اللہ جل جلالہ کی قسم کہ یہ سوال تو میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ میرے مرنے پر یہ چادر جو کہ حضور رحمت للعالمین، شفیع المذنبین ﷺ کے جسم انور، اطہر اور مقدس کے ساتھ لگ چکی ہے میرا کفن بنے۔

جناب سہل ؒ فرماتے ہیں کہ وہی بردۂ پاک ان کا کفن بنا۔ حضرت امام مالک ؒ کو حضور سید عالم و عالمیان ﷺ کے تین بال مبارک ملے تھے۔ جب آپ ؒ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو وصیت فرمائی کہ ایک موئے مبارک میری داہنی آنکھ پر اور دوسرا موئے مبارک میری بائیں آنکھ پر اور تیسرا موئے مبارک میرے منہ پر میرے مرنے کے بعد رکھ دینا۔ جناب ابو ہریرہ ؓ نے حضرت امام حسن ؑ کو کہا کہ آپ اپنے بدن مبارک کی وہ جگہ مجھے بتائیں جس جگہ کو حضور نبی اکرم ﷺ نے چوما تھا۔ حضرت امام حسن ؑ نے اپنی ناف مبارک ان کو بتائی تو حضرت ابو ہریرہ ؓ نے تبرکا وہاں بوسہ دیا۔ جناب ثابت البنانی ؒ حضرت انس ؓ کے ہاتھ کو اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک کہ بوسہ نہ دے لیتے اور فرماتے

یدمست رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

"یہ وہ ہاتھ ہے جس کو رسول کریم ﷺ نے چھوا ہے۔"

حضرت ابو عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا کے پاس نبی کریم ﷺ کا لحاف تھا۔ جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے میرے والد کو کہلا بھیجا کہ مجھے اس لحاف کی زیارت کروائیں۔ چنانچہ میرے دادا اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس لحاف کو اپنے چہرے پر خوب ملا۔ (تاریخ صغیر امام بخاری)

جنابہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس سید دو عالم ﷺ کا جبہ مبارک تھا۔ مسلم شریف میں ہے

قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى يُسْتَشْفٰى بِهَا

”فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ اس جبہ مبارک کو پہنا کرتے تھے ہم اس کو دھو کر بغرضِ شفا بیماروں کو پلاتے ہیں اور شفا ہو جاتی ہے۔“

شفا شریف میں ہے کہ امام ابن مامون فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے پیالوں میں سے ایک پیالہ ہمارے پاس تھا۔

فَکُنَّا نَجْعَلُ فِيْهَا الْمَآءَ لِلْمَرْضٰى فَيَسْتَشْفُوْنَ بِهَا

”ہم اس پیالے میں پانی ڈال کر بیماروں کو پلاتے تو اس پانی سے بیمار صحت یاب ہو جاتے۔“

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

حدیث نمبر ۳/۷۲ حدثنا اسحق بن موسٰی الانصاری قال حدثنا معن قال حدثنا مالک حدثنا سعید بن ابی سعید المقبری عن عبید بن جریج اَنَّہٗ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ رَءَيْتُکَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ قَالَ اِنِّیْ رَءَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِیْ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ وَ يَتَوَضَّاُ فِيْهَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا

ترجمہ عبید بن جریج سے روایت ہے یہ کہ انہوں نے ابن عمر ؓ سے کہا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ گائے کے چمڑہ کا وہ جوتہ پہنتے ہیں جو کہ دباغت شدہ بغیرہ بالوں کے ہوتا ہے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یقیناً میں نے حضور اکرم ﷺ کو ایسے جوتے پہنے دیکھا ہے جس پر بال نہ تھے اور ان میں وضو فرماتے لہٰذا اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ اس طرح کے جوتے پہنوں۔

حل لغات اَلسِّبْتِيَّةَ: اَلسِّبْت سے ہے جس کے معنی پکائی ہوئی کھال، رنگی یا دباغت دی ہوئی کھال کے ہیں۔ صاحبِ ”لغات الحدیث“ لکھتے ہیں ”بہ کسرہ سین، گائے کی کھال جو دباغت کی گئی ہو جس سے جوتے بناتے ہیں اس کو سبت اس وجہ سے کہا کہ اس کے بال دور کئے جاتے ہیں۔ بعض نے کہا

کہ اس وجہ سے کہ وہ دباغت کی وجہ سے نرم ہو جاتی ہے۔

تشریح

ارشاد ہے ’’کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ گائے کے چمڑہ کا وہ جوتا پہنتے ہیں جو دباغت شدہ بغیر بالوں کے ہوتا ہے‘‘۔ حضرت علامہ مولانا مولوی محمد عاقل صاحب بن محمد خاکیؒ اپنی شرح ’’حلاوۃ المتعلمین‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں

’’شیخ ابن حجر گفتہ است بکسر سین عبارت است از پوست گاؤ کہ دباغت کردہ شود او را مطلقاً خواہ قرظ و خواہ بغیر قرظ، و قرظ عبارت است از برگ خاردار پس حاصل آنست کہ می پوشی تو نعلہا بے موئے و ایں عادت توانگران است تو موافقت ایشاں چرا می کنی حکمت آں چیست‘‘

یعنی شیخ ابن حجر نے کہا کہ (سبت) بکسر سین گائے کے اس پوست کو کہتے ہیں جو کہ دباغت کیا گیا ہو۔ صرف قرظ کے ساتھ یا بغیر قرظ کے اور قرظ اس پتے کو کہتے ہیں پر کانٹے ہوں۔ پس اس فقرہ کا یہ مطلب ہوا کہ اے ابن عمرؓ آپ بغیر بالوں کے جوتا پہنتے ہیں حالانکہ یہ مالدار لوگوں کی عادت ہے، آپ ان کی موافقت کیوں کرتے ہیں، اس میں کیا حکمت ہے؟

حضرت ابن عمرؓ نے جواباً ارشاد فرمایا ’’میں اس لئے اس قسم کا جوتا پہنتا ہوں کہ یقیناً میں نے حضور اکرم ﷺ کو ایسے جوتے پہنتے دیکھا ہے جن پر بال نہ تھے لہٰذا میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ اسی طرح کے جوتے پہنوں۔‘‘

سبحان اللہ حضرات گرامی منزلت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اطاعت، اتباع اور محبت نبی الانبیاء ﷺ کا کیا عالم ہے جس صاحبؓ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو جس لباس میں دیکھا وہی پہننا شروع کر دیا۔ چونکہ ابن عمرؓ نے آنحضور ﷺ کو بغیر بالوں کے جوتا پہنتے دیکھا تو ویسے ہی جوتا حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع میں نہ کہ خواہش نفس کی اتباع میں پہنا۔ اگر کسی دوسرے صحابیؓ نے بالوں والا جوتا پہنتے دیکھا تو انہوں نے وہ جوتا پہنا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کفش برداران حضور پاک ﷺ کو آنجناب ﷺ کی اطاعت، اتباع اور محبت کی توفیق عطا فرمائے -- آمین ثم آمین!

شارحین نے ”اور ان میں وضو فرما لیتے“ کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ سرورِ عالم و عالمیان ﷺ کے پاؤں مبارک وضو کے پانی سے تر بتر ہوتے اور جوتا مبارک پہن لیتے۔ جناب مولانا مولوی محمد عاقل صاحب تحریر فرماتے ہیں ”یعنی پائے تر در آں نعلہا می انداخت“ یعنی گیلے پاؤں ہی ان جوتیوں میں ڈال لیتے۔ علامہ النووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

معناه انه يتضاء و يلبسهابعد و رجلان رطبان

”اس کا یہ معنی ہے کہ وضو فرما لیتے پھر جوتے پہنتے اس حال میں پاؤں تر ہوتے۔“

محدثِ کبیر حضرت استاذِ محترم صاحبزادہ الحافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جوتا ضرور پہننا چاہئے سوائے مقبرہ اور مسجد کے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”مقبرہ میں جوتا پہن کر پھرنا مکروہ ہے“۔ و قال احمد يكره لبسها في المقابر (جمع الوسائل)۔

حضرت علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں

ومن صريح الايمان محبة ما كان المصطفى صلى الله عليه واله
وسلم يحبه و اتباع ما كان يفعله حتى الماكول والمشروب الملبوس

حدیث نمبر ۷۷/۵ حدثنا اسحق بن منصور حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن ابی ذئب عن صالح مولى التومة عن ابی هريرة قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَالِهٖ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ

ترجمہ ابی ہریرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسول کریم ﷺ کے ہر ایک کفش مبارک میں دو تسمے تھے۔

حل لغات و تشریح حدیث شریف ۷۳/۱ میں گزر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۷۸/۶ حدثنا احمد بن منیع حدثنا ابو احمد حدثنا سفیان عن السدی حدثنی من سمع عمرو بن حریث یَقُولُ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یُصَلِّی فِیْ نَعْلَیْنِ مَخْصُوْفَتَیْنِ

ترجمہ عمرو بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آنجناب ﷺ ایسی جوتیوں میں نماز پڑھ رہے تھے جن کو پیوند لگے ہوئے تھے۔

حل لغات مَخْصُوْفَتَیْنِ: خَصَف سے ہے جس کے معنی جوتے پر اور چمڑا چڑھانا، سینا ٹانکنا اور جمانا ہے۔ صاحبِ ’’الاتحافات الربانیہ‘‘ الشیخ احمد عبدالجواد الدوی مصری فرماتے ہیں کہ اَلْمَخْصُوْفَتَان کے معنی اَلْمَخْرُوْزَتَان ہے یعنی ’’ستال (آر) سے سیئے ہوئے‘‘۔ نیز فرماتے ہیں کہ اَلْمَخْصُوْفَتَان کے معنی اَلْمُرَقَّعَتَان بھی ہیں جس کے معنی ’’پیوند لگے ہوئے‘‘ کے ہیں۔

تشریح اگرچہ یہ سند مجہول ہے مگر دوسری اسی قسم کی روایات موجود ہیں جو اس کی تصحیح کا باعث ہیں۔ جناب عروہ روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کان یخیط ثوبہ ویخصف نعلہ اپنے کپڑے خود سی لیتے اور اپنے جوتے کو خود پیوند لگا لیتے اور شرح میں ہے کہ خصف سے مراد پیوند لگانا ہے۔ وفی شرح ان المراد بہ المرتقعہ اخرجہ ابن حبان والحاکم ارشاد ہے ’’جوتیوں میں نماز پڑھ رہے تھے‘‘۔ شارحین فرماتے ہیں یا تو اس نماز سے نمازِ جنازہ مراد ہے یا پنجگانہ نماز ہے مگر وہ بھی ایسی صورت میں کہ جوتیاں نجاست سے پاک ہوں ورنہ نہیں۔ علامہ البیجوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ویوخذ من الحدیث جواز الصلوۃ فی النعلین لکن ان کانتا طاھرین

’’اس حدیث شریف سے جوتیوں میں نماز پڑھنے کا جواز ملتا ہے بشرطیکہ جوتیاں طاہر ہوں یعنی نجاست سے پاک ہوں۔‘‘

حدیث نمبر ۷/۷۹ حدثنا اسحق بن موسی الانصاری حدثنا معن حدثنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْشِيَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدٍ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا اَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا --- حدثنا قتيبة عن مالک عن ابی الزناد نحوه

ترجمہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں یہ کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ پھرے۔ چاہئے کہ دونوں جوتے پہنے یا دونوں اتار دے۔

حل لغات لِيُحْفِهِمَا: چاہئے کہ ننگے پاؤں ہو، حفٰی سے ہے جسکا معنی ننگے پاؤں چلنا کے ہیں۔

تشریح اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صاحبِ اخلاقِ عظیم احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جوتی پہننے کے بھی طریقے اپنی امت کو بتائے۔ ارشاد فرمایا کہ ایک پاؤں ننگا اور ایک میں جوتا ایسے نہ چلا پھرا کرو۔ استاذِ گرامی منزلت صاحبزادہ الحافظ علی احمد جان نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ ''ایسا پھرنا وقار کے منافی ہے، استہزا کا باعث ہے، پاؤں میں موچ پڑ جانے کا اندیشہ ہے، پھسلنے کا خطرہ اور سب سے بڑی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک قسم کی بدتمیزی ہے۔ ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے وقتی طور پر ایسا کرنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔''

حضرت علامہ محمد عاقل صاحب لاہوری فرماتے ہیں:

''نہی برائے کراہیت است و آں وقتی است کہ ضرورت نباشد و اما اگر ضرورت باشد پس کراہیت نیست'' یعنی یہ نہی کراہیت کیلئے ہے جبکہ بغیر کسی وجہ اور ضرورت کے ایسا کرے اور اگر کسی عذر اور ضرورت کے وقت کرتا ہے تو پھر کراہیت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۸/۸۰ حدثنا اسحق ابن موسی حدثنا معن حدثنا مالک عن ابی الزبیر عن جابر اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَاْكُلَ يَعْنِى الرَّجُلَ بِشِمَالِهٖ

اَوْ یَمْشِیَ فِیْ نَعْلٍ وَاحِدَۃٍ

ترجمہ حضرت جابر ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سید الکائنات ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا صرف ایک جوتا پہن کر چلے۔

حل لغات شِمَالٍ: بائیں، طرفِ چپ، بایاں۔

تشریح امام شافعی ؒ کے نزدیک یہ کراہت تنزیہی ہے اور حنابلہ و مالکیہ کے نزدیک تحریمہ ہے۔

جناب علامہ محمد عاقل صاحب ؒ تحریر فرماتے ہیں:

"مراد از کراہیت تنزیہی است" یعنی اس کراہیت سے مراد کراہیت تنزیہی ہے۔

بہرحال شارح ؑ نے بائیں ہاتھ سے کھانا اور ایک پاؤں میں جوتی پہننے سے منع فرمایا ہے۔ مسلم شریف میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا داہنے ہاتھ سے کھا۔ اس نے یونہی کہہ دیا کہ "میں طاقت نہیں رکھتا ہوں" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تو طاقت نہ رکھے" بس پھر کیا تھا اس شخص کا داہنا ہاتھ اس کے بعد منہ تک نہ پہنچ سکا۔ اس حدیث میں الرجل یعنی مرد کا ذکر آیا ہے۔ یہ شرافت کی وجہ سے ہے نہ عورتوں کے احتراز کی وجہ سے۔ اس لئے ترجمہ میں "کوئی شخص" استعمال کیا ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ نیز اس حدیث شریف میں لفظ "اَوْ" تقسیم کیلئے ہے، شک کیلئے نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۸۱/۹ حدثنا قتیبة عن مالک ح و حدثنا اسحق بن موسی حدثنا معن حدثنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرة اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَاءُ بِالْیَمِیْنِ وَ اِذَا نَزَعَ فَلْیَبْدَاءْ بِالشِّمَالِ فَلْتَکُنِ الْیُمْنٰی اَوَّلَہُمَا وَ اٰخِرَہُمَا تُنْزَعُ

ترجمہ ابی ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک جوتا پہنے تو چاہئے کہ داہنے جانب سے پہلے جوتا پہنے اور جب کوئی جوتا اتارے تو بائیں جانب سے اتارنا چاہئے، دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہو اور اتارنے میں مؤخر۔

حل لغات فَلْيَبْدَاْءُ: پس چاہئے کہ پہل کرے، ابتدا کرے، شروع کرے۔ نَزَعَ: نکالنا، اتارنا۔

تشریح جتنے کام بھی تکریم کے متعلق ہیں ان کے شرف کی وجہ سے آداب طریقہ محمدیہ یہ ہے کہ انہیں داہنی جانب سے شروع کرے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی ایک جوتا پہنے تو چاہئے کہ داہنے جانب سے پہلے جوتا پہنے'' کیونکہ یہ زینت کا کام ہے اور اس کی شرافت کا تقاضا ہے کہ اس کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ تمام تکریم کے امور میں حضور ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کی تعمیل کی جائے۔

حدیث نمبر ۸۲/۱۰ حدثنا ابو موسیٰ محمد بن المثنی حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة حدثنا اشعث وهو ابن ابی الشعثاء عن ابیه عن مسروق عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِيْ تَرَجُّلِهٖ وَ تَنَعُّلِهٖ وَ طُهُوْرِهٖ

ترجمہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ سید عالم و عالمیان ﷺ حتی المقدور کنگھی فرمانے میں، جوتا پہننے میں اور وضو کرنے میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو بہت پسند رکھتے تھے۔

حل لغات اِسْتَطَاعَ: حتی المقدور، حتی الوسع، ضرورت۔

تشریح ارشاد ہے ''حتی المقدور'' یعنی اس وقت تک کوئی ضرورت مانع نہ ہو بغیر کسی وجہ یا عذر کے ترک

نہ فرماتے۔ استاذِ محترم حضرت مولانا مولوی الحافظ صاحبزادہ علی احمد جان صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ ''اس میں یعنی (حتی المقدور) سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے یا کسی خاص ضرورت کے تحت تکریم کے امور میں سے کسی کام کو بائیں جانب سے کرنے کی حاجت ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے'' اور جیسا کہ علامہ البیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

و لیس المراد التخصیص بھذا الثلاثة بدلیل روایة و فی شانه کله کما تقدم

''ان تین امور کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر ایک امر تکریم کا یہی حکم ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔''

حدیث نمبر ۸۳/۱۱ حدثنا محمد بن مرزوق ابو عبداللہ حدثنا عبدالرحمن بن قیس ابو معاویة انباء نا ھشام عن محمد عن ابی ھریرة قَالَ کَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ وَ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا وَ اَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدً عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

ترجمہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک کفش مبارک کے دو تسمے تھے اور جناب ابوبکر و جناب عمر رضی اللہ عنہما کے (کفش) بھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے صاحب ہیں جنہوں نے ایک تسمے والی جوتی پہنی۔

حل لغات عقد عقدًا: بنالیا۔

تشریح اس حدیث شریف میں ایک تسمے کا جوتا پہننے کا جواز ہے جیسا کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''جمع الوسائل'' میں تحریر فرمایا، لکھتے ہیں ''اشارة الی بیان الجواز'' صاحب اتحافات الربانیہ حضرت علامہ عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں ''نعل الخلیفة الثالث افادنا باتخاذ القبال الوحد جواز ذلک''

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ نَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پورا ہوگیا۔ (جاری ہے)

گزشتہ سے پیوستہ

دِرَاسَاتُ الْحَسَنِیَّہ

شانِ اولیاء کرام

(قرآن واحادیث کی روشنی میں)

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سیدنا محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: سید محمد انور شاہ قادری
لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

اللہ جل جلالہ اولیاء کرام کی شان میں فرماتا ہے

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ (۶۳) لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا
وَ فِی الْاٰخِرَۃِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (یونس: ۶۴)

ترجمہ: وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں اور متقی ہیں، متقی کے معنی ہیں پرہیزگار، اس کے معنی حدیث مبارک کی روشنی میں بیان کرتا ہوں تاکہ متقی کے معنی کی وضاحت ہو جائے اور آپ کو پتہ چل جائے کہ تقویٰ کیا چیز ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں من تقوی

یا رسول اللہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ تقویٰ کیا ہے؟ قربان جاؤں اس شفیقِ امت ﷺ کے، کون سی بات ہے جو آنجناب ﷺ نے نہیں بتائی مگر ہم کتنے بدبخت ہیں، کتنے نافرمان ہیں کہ ہم پیارے محبوب شفیع المذنبین ﷺ کی تعلیمات سے بے خبر ہیں۔ ہاں پیارے محبوب ﷺ نے ہر بات بیان فرمائی ہے، کوئی بات چھپی ہوئی نہیں --- اللہ اکبر۔ اس پر ایک حدیث شریف یاد آ گئی، پہلے وہ آپ کو سنادوں پھر اصل بات کی طرف آتا ہوں اس وقت بڑی باتیں سامنے آ رہی ہیں۔

ایک دن حضور پاک ﷺ نے صبح سے خطبہ دینا شروع کیا، ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، حضور ﷺ نے خطبہ بند کیا اور نماز پڑھی پھر خطبہ شروع فرمایا۔ عصر کی نماز کے وقت خطبہ بند کیا اور نماز پڑھی پھر خطبہ شروع فرمایا مغرب کی نماز تک اور پھر مغرب کی نماز ادا کی۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے اس دن کے خطبہ مبارکہ میں قیامت تک جو کچھ ہوگا وہ بیان فرما دیا --- اللہ اکبر! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ جو ہم کو یاد رہا سو یاد رہا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ لیکن حضور نبی کریم ﷺ کی بتائی ہوئی باتیں جب ظہور پزیر ہوتیں تو ہمیں یاد آ جاتا کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

ہمارا نبی کتنے علم والا تھا، کتنا جاننے والا تھا، آج تو کہا جاتا ہے کہ حضور بے خبر تھے، حضور کو پیٹھ پیچھے کا علم نہیں تھا، حضور کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں تھا، فلاں چیز کا علم نہیں تھا، فلاں چیز کا علم نہیں تھا، انتہائی دکھ اور افسوس کا مقام ہے، آج یہ تھرمامیٹر لے کر، پیمانہ لے کر، حضور نبی کریم ﷺ کے علم مبارک کو ناپ رہے ہیں، کیا ان لوگوں نے قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ پر غور نہیں کیا

وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْبَرَ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (یونس: ۶۱)

ترجمہ: کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز ایسی نہیں جو اس کتاب مبین (قرآن حکیم) میں بیان نہ فرمادی ہو۔

اور اس کتاب کا کلی علم پیارے محبوب ﷺ کو عطا فرمادیا، ارشاد ربانی ہے

وَ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ عَلَّمَکَ مَا لَمْ
تَکُنْ تَعْلَمُ ؕ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (النساء: ۱۱۳)

ترجمہ: اور اتاری ہے اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور جو آپ نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھا دیا اور یہ آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے قرآن کریم کے تمام پوشیدہ علوم آپ ﷺ کو سکھا دیئے اور قرآن اس بات پر شاہد ہے۔ اپنی بات کی طرف واپس آتا ہوں ایک صحابی نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی کہ آپ ﷺ نے بار ہا ارشاد فرمایا ہے کہ متقی بنو، تقویٰ اختیار کرو، اے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ ہمیں بتایئے یہ تقویٰ کیا چیز ہے؟

حضور ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ہر آدمی کو اس کی عقل وفہم اور علم کے مطابق بات سمجھاتے تھے، اگر صدیق اکبر ؓ ہوں، تو ان کی فہم وفراست کے مطابق اور اگر عمر فاروق ؓ ہوں تو ان کی عقل وفکر کے مناسب اور جب باب العلم جناب سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہوں تو ان کے علم ودانش کے پیش نظر بات فرماتے۔ اب یہ تقویٰ کے متعلق سوال کرنے والا چونکہ ایک عام صحابی تھا چنانچہ آپ نے اس کی سمجھ کے مطابق اسے عام طریقے سے سمجھایا کہ تقویٰ کیا ہے۔

آپ نے فرمایا: برخوردار دیکھو! جنگل میں خاردار جھاڑی ہو اور اس کی چاروں طرف کانٹے ہی کانٹے ہوں اور پھر تم ان کانٹوں سے اپنے کپڑوں اور اپنے آپ کو بچا کر نکل جاؤ تو یہ تقویٰ ہے یعنی یہ دنیا گناہوں کا گھر ہے، یہاں قدم قدم پر معصیت کا ڈر ہے، کبائر ہیں، صغائر ہیں، چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہوں کا ہر وقت خطرہ موجود ہے لیکن جب تم اس دنیا میں ان تمام گناہوں سے بچ کر نکل جاؤ تو تم متقی ہو جاؤ گے۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے کہ یہ جو خدا کا ولی ہے یہ متقی ہے۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (الانفال ۳۴)

ترجمہ: اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں مگر ان میں اکثر کو علم نہیں۔ (ترجمہ از کنز الایمان)۔

اس آیہ کریمہ میں بڑا عجیب اشارہ ہے۔ چونکہ ولی کو جاننا بڑا مشکل ہے بلکہ ولی کی پہچان کرنا ایک بڑا کمال ہے اسلئے میرے غوث پاک ؓ نے فرمایا کہ ایک شخص اگر بہتے ہوئے دجلہ پر مصلیٰ رکھ کر نماز

پڑھتا ہے، مٹی کی دیوار پر سوار ہو کر اسے گھوڑے کی طرح دوڑا دیتا ہے، پرندے کی طرح ہوا میں اڑتا ہے لیکن اگر میرے محبوب ﷺ کی سنت کے ذرہ برابر بھی مخالف ہے تو استدراج ہے۔ بس اگر پیارے محبوب ﷺ کی سنت کا پیرو ہے، آپ ﷺ کی سنت پر چلنے والا ہے تب ولی ہوگا اور کامل ہوگا۔ مولانا روم صاحب ؒ فرماتے ہیں

کار شیطان می کند نامش ولی
گر ولی این است لعنت بر ولی

یعنی شیطانی کام کرتا ہے، حضور پاک ﷺ کی سنت کو نہیں مانتا، سنت پر نہیں چلتا، نماز سے بے خبر، روزے سے بے خبر، حج سے بے خبر، اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے سے بے خبر ہے اور ولی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو مولانا روم ؒ فرماتے ہیں کہ ایسے ولی پر لعنت ہے۔ ہمیں ایسے ولی کی کوئی ضرورت نہیں ہمیں تو ایسا ولی چاہئے جو حضور پاک ﷺ کی سنتِ مطہرہ کا عملی نمونہ ہو۔

حضور غوث پاک ؓ اپنے زمانۂ طالبعلمی میں اپنے دو طالبعلم ساتھیوں کے ہمراہ ایک شخص کے پاس مرید ہونے کیلئے تشریف لے گئے۔ اس وقت اس آدمی کا بڑا چرچا تھا کہ یہ بہت بڑا ولی ہے، بڑا کامل درویش ہے، صاحبِ معرفت ہے، حقانیت کا مالک ہے، متقی ہے، پرہیزگار ہے۔ چنانچہ آپ بمعہ اپنے ساتھیوں کے وہاں پہنچے تو وہ شخص وضو کر رہا تھا۔ آپ کے دونوں ساتھی اس کے مرید ہو گئے لیکن جناب حضور غوث پاک ؓ نے ان کی بیعت نہیں کی۔ اب ساتھیوں نے آپ سے کہا کہ آپ بھی تو بیعت کے ارادے سے ہمارے ساتھ آئے تھے، آخر کیا نقص ہے ان میں؟ یہ تو کتنے متقی ہیں، نماز کے پابند، تہجد کے پابند، یادِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی کا مظہر ہیں۔

آپ ؓ نے فرمایا کہ یہ سب باتیں ٹھیک ہیں مگر یہ مستحب کو ترک کرتا ہے --- اللہ اکبر، اللہ اکبر! سنت اور فرض نہیں بلکہ صرف مستحب ترک کرتا ہے۔ حضور غوث الاعظم ؓ نے فرمایا کہ اس نے اونچی جگہ بیٹھ کر وضو نہیں کیا، زمین کے متساوی بیٹھ کے وضو کیا ہے۔ (عام زمین سے ذرا اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا مستحب ہے)۔ لہٰذا جو شخص مستحب ترک کرتا ہے وہ میرا پیر نہیں بن سکتا --- اللہ اکبر! اب دیکھو ولی کا

کیا مقام ہے ولی کون ہے، سوچنے کی بات ہے میرے دوستو! آج لوگ اسی لئے ولیوں کے منکر ہو گئے ہیں کہ ان کو سنت کے مخالف لوگ ولی کے جامہ میں مل گئے۔ اگر صحیح طریقہ پر ان کو کوئی ولی نظر آئے تو پتہ چلے کہ ولایت کیا ہے اور اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ کے بعد مزید فرمایا لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ ؕ ان کیلئے بشارت ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ بشارت کے کیا معنی ہیں، بزرگان کرام نے لکھا کہ ان کیلئے اس دنیوی زندگی میں دنیا کے غم و اندوہ سے خلاصی، عذابِ قبر سے نجات، قیامت کے دن اللہ جل جلالہ کے دیدار، حضور پاک ﷺ کی زیارت و معیت اور پیارے محبوب ﷺ کے ہمراہ جنت میں جانا بشارت ہے اور بشارت کے معنی کرامت کے بھی کیئے گئے ہیں یعنی اس زندگی میں بھی کرامات صادر ہوں گی اور مرنے کے بعد بھی کرامات کا صدور جاری رہے گا۔ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ اللہ کے اس قانون میں کوئی تبدیلی کرنے والا نہیں ہے یعنی

اللہ کا قانون ہے کہ دنیا میں ولی اللہ ہوں گے

اللہ کا قانون ہے کہ دنیا میں وہ ولی ہوں گے جن کا ولی خدا ہے

اللہ کا قانون ہے کہ ولیوں کیلئے عزتیں ہیں

اللہ کا قانون ہے کہ ولیوں کیلئے بشارتیں ہیں

اللہ کا قانون ہے کہ ان کیلئے کرامتیں ہیں

اللہ کا قانون ہے کہ ولیوں کیلئے خوف اور حزن نہیں ہے

اللہ کا قانون ہے کہ جن کا ولی خدا ہے ان کی خواہشیں پوری ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میرے دوستو! ایسے آدمی سے قرآن پڑھو جسکے دل میں حضور ﷺ کی محبت ہو، جس نے حضور کی محبت کی عینک لگا رکھی ہو، جو قرآن مجید میں حضور نبی کریم ﷺ کی تعریف اور عظمت دیکھتا چلا جائے، حضور ﷺ کے دوستوں کی عظمتیں ملاحظہ کرتا چلا جائے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اپنے دوستوں کی شان ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ (البقرہ: ۲۵۷)

''اللہ تعالیٰ ولی ہے ان لوگوں کا جو سچے مومن ہیں اور انہیں ظلمت سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔''

ظلمت کی جمع ظلمات ہے، ظلمت کے معنی ہیں تاریکی، اندھیرا، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو تاریکیوں سے نکال کر مقامِ نور میں پہنچا دیتا ہے۔ اب میں آپ کے سامنے اس آیت مبارکہ کی تفسیر اپنے استاذِ مکرم علیہ الرحمہ کی زبانی بیان کرتا ہوں امید ہے آپ کا ایمان تازہ ہو جائے گا۔

یہ جو انسانی ہیولے کی زندگی ہے یعنی سورج اور چاند کی اس دنیا میں جو انسان یہاں بس رہے ہیں دن کے وقت سورج کی روشنی میں سب کچھ روشن ہو جاتا ہے لیکن جب سورج غروب ہوتا ہے تو رات کا اندھیرا تمام دنیا کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی، اسی طرح یہ بلب جو سامنے نظر آ رہا ہے روشن ہے، خود بھی روشنی ہے اور اسی کی روشنی کی وجہ سے دوسری چیزیں بھی روزِ روشن کی طرح ہمیں نظر آ رہی ہیں، لیکن اگر یہ بلب بجھ جائے تو ہر طرف تاریکی چھا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو دنیا کے حجابات، غم و اندوہ اور پریشانیوں اور مصیبتوں سے نکال کر مقامِ اطمینان میں لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے اور جب وہ مقامِ نور میں پہنچتا ہے تو خود بھی منور ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی روشن کر دیتا ہے اور جب اسے ظلمتوں سے نکال کر مقامِ اطمینان اور مقامِ نور میں لے جا کر کھڑا کر دیا تو اگر یہ ناقص ہے تو اس کو کامل بنا دیا --- ادھورا ہے تو اس کو مکمل کر دیا --- نفس کا بندہ ہے تو اس کو خدا کا بندہ بنا دیا --- خواہشات کا پرستار ہے، تو اس کو توحید کا پرستار بنا دیا۔ اب یہ مقام کیسے حاصل ہوگا، یہ نور کیسے حاصل ہوگا۔ قربان جاؤں قرآن حکیم کے جس نے ہر بات کی وضاحت فرمائی ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: ۲۸) ''آگاہ ہو! اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔''

جب اللہ کی یاد دل میں نہیں تو بے اطمینانی ہے، بے چینی ہے، پریشانی ہے، کہیں معیشت کا تھپڑ پڑ رہا ہے، کہیں گناہوں کا تھپڑ پڑ رہا ہے، کہیں تباہی و بربادی کا تھپڑ لگ رہا ہے، کہیں غرق ہونے کا تھپڑ لگ رہا ہے، کہیں فتنہ و فساد کا تھپڑ لگ رہا ہے۔ کہیں پریشانیوں میں مصیبتوں میں مبتلا ہے، عذاب میں پھنسا ہوا ہے، قلب بے چین ہے، مضطرب ہے، سکون و اطمینان نہ دماغ کو میسر ہے نہ قلب کو نصیب ہے اور نہ ہی وجود کو حاصل ہے۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے ہیں، پانچ پانچ، دس دس لاکھ روپے کی موٹریں ہیں،

کوٹھیاں ہیں جن میں زندگی کی ہر آسائش موجود ہے لیکن دل بے اطمینان ہے۔

اللہ جل جلالہ نے قرآن مجید میں اطمینان قلب کا نسخہ تجویز فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے اطمینان قلب حاصل ہوگا اور جب اطمینانِ قلب نصیب ہوگا تو استقامت حاصل ہوگی، جب استقامت حاصل ہوجائے گی تو ولی اللہ ہوجائے گا، جب ولی اللہ ہوجائے گا تو مقامِ نور پر پہنچ جائے گا--- اللہ اکبر، اللہ اکبر! ہم نے اولیاء اللہ کو سمجھا ہی نہیں ہے--- خفانہ ہونا! ہم نے تو ولیوں کو یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کے پاس جائیں اور ہمیں مرغ پکا کر کھلائیں تو ہم جانیں کہ یہ ولی ہیں حالانکہ مقام ولایت یہ نہیں ہے بلکہ جب تم کسی ولی کے پاس جاؤ تو دیکھو کہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف کوئی بات تو نہیں کرتا۔

ایک مثال ہے کہ ایک پیر صاحب تکیئے میں لیٹا ہوا تھا--- تکیہ جانتے ہیں--- جہاں چرس، بھنگ وغیرہ پیتے ہیں--- تو ایک سیدھا سادہ بیچارہ سالک وہاں چلا گیا۔ اس نے کہا پیر صاحب کو اٹھاؤ نماز کا وقت ہے تو مرید کہنے لگا کہ ہمارا پیر تو مدینہ میں نماز پڑھتا ہے۔ اب سوچو کہ نماز نہیں پڑھتا، نشہ کرتا ہے، برائی کا حکم کرتا ہے، نیکی سے نہیں روکتا ہے لہٰذا ایسا شخص کبھی بھی ولی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے میں ایک بار پھر اپنے الفاظ دہراؤں گا کہ جب بھی آپ لوگ کسی پیر کے پاس جائیں تو دیکھیں کہ اس کا قول وفعل قرآن و حدیث کے خلاف تو نہیں، حضور نبی کریم ﷺ کی کسی سنت کی مخالفت تو نہیں کررہا، حضور ﷺ کے طریقہ سے کتنا ہٹا ہوا ہے اور اگر ہٹ گیا تو پیر نہیں شیطان ہے--- اگر سنت پر قائم ہے تو پیر نہیں ولی اللہ ہے اور جب ولی اللہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہے، صاحب خوف وحزن نہیں ہے بلکہ صاحب بشارت ہے، مقام نور پر فائز ہے اسی لئے پیارے محبوب ﷺ نے اپنی امت کو دعائیں تلقین فرمائی، فرمایا

"اے اللہ جل جلالہ مجھے نور بنادے، میری زبان کو نور بنادے، میری آنکھوں کو نور بنادے، میرے چلنے پھرنے کو نور بنادے، میرے دل کو نور بنادے، میرے خون کو نور بنادے، میری ٹانگوں کو نور بنادے، میرے رگ وریشے کو نور بنادے، میرے آگے بھی نور ہو، میرے پیچھے بھی نور ہو، میرے دائیں بھی نور ہو، میرے بائیں بھی نور ہو، اے اللہ جل جلالہ مجھے نور ہی نور بنادے۔"

یہ کیا ہے، یہ مقامِ ولایت ہے، پھر ولایت میں بھی درجے اور مراتب ہیں۔ حضرت خواجہ نظام

الدین اولیاء ؒ نے فرمایا ولایت کے سو درجے ہیں۔ اب آپ کو سمجھانے کیلئے ایک بڑی نازک سی بات بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو امام الانبیاء بنا کر بھیجا اور حضور ﷺ کے صحابہ کو قدوسی جماعت بنا کے بھیجا --- نام آ گیا ہے صحابی کا تو پہلے صحابی کی تعریف سن لیجیے --- جس شخص نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا، حضور ﷺ پر ایمان لایا، حضور ﷺ کی صحبت اختیار کی اور پھر ایمان کی حالت میں مر گیا وہ صحابی ہے۔ حضور ﷺ کا ہر صحابی حضور ﷺ کی اور اللہ کی رضا کا مظہر ہے، ہر صحابی جنتی ہے۔ الغرض یہ کہ حضور ﷺ کے تمام صحابہ عظمت و رفعت کے مالک ہیں لیکن سب کا درجہ برابر نہیں ان کے مراتب میں فرق ہے۔ جنھوں نے مکہ مکرمہ میں تیرہ برس تک حضور ﷺ کے ساتھ اذیتیں اور مصیبتیں برداشت کیں ان کا مقام دوسرے تمام صحابہ سے بلند ہے۔ پھر جنھوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ان کا علیحدہ مقام ہے، پھر جنھوں نے حضور ﷺ کے ہمراہ جہاد کیے ان کا ایک درجہ ہے، یہ سب آپس میں برابر نہیں ہیں مگر خدا نے بھلائی کا وعدہ سب صحابہ کے ساتھ فرمایا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے

وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (النساء: ۹۵) "اور اللہ تعالیٰ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا"

درجات کے لحاظ سے تمام صحابہ کے اپنے اپنے مراتب ہیں۔ جناب سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا اپنا مقام ہے، جناب سیدنا عمر فاروق ؓ کا اپنا مرتبہ ہے، جناب سیدنا عثمان غنی ؓ کا اپنا درجہ ہے اور جناب سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا اپنا مقام ہے۔ غرضیکہ ہر صحابی کا حضور ﷺ کے نزدیک ایک اپنا مقام ہے اور پھر ہر ایک اپنے اس درجے اور مقام کی نسبت سے حضور ﷺ کو دیکھا کرتا تھا۔

ایک موقع پر جناب سیدنا ابوبکر صدیق ؓ پیارے محبوب ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ملاقات کیلئے لوگ حاضر ہوتے ہیں تو پہلے وہ جناب ابوبکر صدیق ؓ کو ملتے ہیں اور پھر حضور ﷺ سے ملتے ہیں۔ جناب ابوبکر صدیق ؓ سمجھ گئے کہ یہ لوگ حضور ﷺ کو نہیں پہچانتے۔ اب غور فرمائیے مقام صدیقیت پر، جناب ابوبکر صدیق ؓ اٹھے اور اپنی چادر حضور ﷺ کے سر مبارک کے اوپر تان کر کھڑے ہو گئے تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ حضور ﷺ یہ ہیں، میں نہیں --- اللہ اکبر، اللہ اکبر!

(جاری ہے)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حافظ عبدالغفار حافظ

جس کی کتابِ زیست میں ان کی الفت کا عنوان نہیں
اور بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن وہ انسان نہیں

تاریخ انساں میں یوں تو گزرے ہیں ذیشان بہت
شان ہے جو محبوبِ خدا کی، ایسی کسی کی شان نہیں

آپ نے کلمہ ہم کو پڑھایا اور اپنی امت میں لیا
یا شہ بطحا! بھولنے والا آپ کا یہ احسان نہیں

جتنے ہیں احکام شریعت ان سب پر لازم ہے عمل
دعویٰ عشق سرورِ عالم مشکل ہے آسان نہیں

کوئی سخنور مانے نہ مانے کب اس کی پروا ہے مجھے
نعتیں چھوڑ کے غزلیں لکھوں اتنا بھی نادان نہیں

پیش نظر ہو جب درِ احمد یا رب اس دم آئے قضا
ایک یہی ارمان ہے دل میں اور کوئی ارمان نہیں

مجھ سے کیا توصیف رقم ہو ذاتِ رسول اکرم کی
قاری ہوں، قرآن نہیں، حافظ ہوں حسان نہیں

قسط نمبر ۱

نورِ مصطفیٰ وسیلہ نورِ ربّ العلیٰ

پرنسپل (ریٹائرڈ) الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ط مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ط اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ط نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ط یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ط وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ط وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ (النور: ۳۵)

صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ آیتِ نور جسم مصطفیٰ ﷺ کے تعارفِ اصلیہ کیلئے نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نبوتِ مصطفیٰ ﷺ کے آسمانوں اور بشریتِ مصطفیٰ ﷺ کی زمین کا نورِ وحدت ہے۔ ضیائے فیضان کی تقسیم کیلئے قالبِ مصطفیٰ ﷺ میں چالیس نور ہیں۔ یہ تمام نور قالبِ مصطفیٰ ﷺ میں ہی جمع ہیں کیونکہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ تمام شرطوں کے ساتھ قائم مع اللہ ہے۔ وہی نورٌ ہے اور مع اللہ علی نورٍ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار سرزمینِ ہند و پاکستان کے عظیم المرتبت ہستیوں میں ہوتا ہے جنہیں عبقریٔ زمان کے نام سے پکارا جائے تو حق بجانب ہوگا۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ استاذ الاساتذہ شیخ المشائخ مفسرِ قرآن اور شارحِ حدیث نبوی تھے۔ آپ نے نہ صرف سرزمینِ ہند و پاکستان بلکہ مشرقِ وسطیٰ اور مشرقِ بعید کے چپے چپے میں علم اور عرفان کی قندیلیں روشن کیں، بقولے شاعر

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند آن عاشقانِ پاک طینت را

آپ نے فارسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ مختصر حواشی کے ساتھ لکھا ہے۔ ذیل میں آیت اللّٰہُ

نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے ''خدا نور آسمانہا و زمین ہست۔''

تفسیر میں فرماتے ہیں

''داستانِ نور وے در قلب مسلمانان اینست مانند طاقے کہ در آں چراغ ہست (یعنی فتیلہ روشن است) او چراغ در شیشہ است (یعنی در قندیل است) گویا باشارہ درخشندہ است افروختہ می شود از روغنِ با برکت کہ عبارت از درختِ زیتون است نہ بہ سمت مشرق دوختی رویندہ و نہ بجانب مغرب رویندہ۔ نزدیک است کہ زیت وی روشنی بدہد اگرچہ نرسیدہ باشدش آتش۔ روشنی بر روشنی۔ راہ می نماید نبود خود ہر کرا خواہد و بیان می فرمائید خدا داستانہائے برای مردمان و خدا بہر چیز داناست۔''

یعنی تشبیہ نور کی مثال یوں ہے کہ مسلمان جب طہارت اور عبادت پر مداومت کرتا ہے تو اسے ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے اور چراغِ معرفت کی حد درجہ درخشندگی (چمک دمک) سے وہ اس وقت مستنیر ہوتا ہے جب وہ طہارت اور عبادت کی مداومت کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔

آیئے مطالعہ کیجئے جونا گڑھی مکتبِ فکر کے ایک عالم مولانا محمد صاحب کا ترجمہ اور تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف کی جو انہوں نے حواشی میں کی ہے وہ ترجمہ کے بعد بریکٹ میں لکھی گئی ہے۔

''اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ (اگر اللہ نہ ہوتا تو نہ آسمان میں نور ہوتا نہ زمین میں۔ نہ آسمان و زمین میں کسی کو ہدایت ہی نصیب ہوتی۔ پس وہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے۔ اس کی کتاب نور ہے، اس کا رسول (بحیثیتِ صفات) نور ہے یعنی ان دونوں کے ذریعہ سے زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی اور روشنی حاصل کی جاتی ہے جس طرح چراغ اور بلب سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے۔ حدیث سے بھی اللہ کا نور ہونا ثابت ہے۔ و لک الحمد انت نور السمٰوٰت والارض و من فیھن (البخاری، باب التہجد باللیل، و مسلم کتاب صلوۃ المسافرین باب الدعا فی صلوۃ اللیل) یعنی اے اللہ آپ سزاوار حمد و ثنا ہیں، آپ نور ہیں آسمانوں اور زمین کے اور جو کچھ ان میں موجود ہے پس اللہ کی ذات نور ہے، اس کا حجاب نور ہے اور ہر ظاہری اور معنوی نور کا خالق ہے، اس کا عطا کرنے والا اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا صرف ایک اللہ ہے) --- (السیر التفاسیر)

اس کے نور کی مثال ایک طاق کے ہے جس میں ایک چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی ایک قندیل (چراغداں یا فانوس) میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو۔ وہ درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی۔ وہ تیل قریب ہے کہ خود بخود روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے۔ نور پر نور ہے (یعنی جس طرح ایک طاق میں ایسا چراغ ہو جو شیشہ کی قندیل میں ہو اس میں ایک بابرکت درخت کا ایسا خاص تیل ڈالا گیا ہو کہ وہ آگ دیا سلائی دکھائے بغیر بذاتِ خود روشن ہو جانے کے قریب ہو۔ یوں یہ ساری روشنیاں ایک طاق میں مجتمع ہو گئیں اور وہ بقعہ نور بن گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دلائل و براہین کی حیثیت ہے کہ وہ واضح بھی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر ایک بھی یعنی نور علیٰ نور۔ جو مشرقی ہے نہ مغربی کا مطلب ہے وہ درخت صحرا کے ایسے حصہ میں ہے کہ اس پر دھوپ صرف سورج چڑھنے کے وقت یا غروب ہونے کے وقت ہی نہیں چڑھتی بلکہ سارا دن وہ دھوپ میں رہتا ہے۔ ایسے درخت کا پھل بہت عمدہ ہوتا ہے مراد اس سے زیتون کا درخت ہے جس کا پھل اور تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور چراغ میں تیل کے طور پر بھی۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (نور سے مراد ایمان و اسلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ جن کے اندر ایمان کی رغبت اور اس کی طلب دیکھتا ہے ان کو اس نور کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے، جس سے دین و دنیا کی سعادتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں)۔

لوگوں کو سمجھانے کیلئے یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے (جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی جس میں اس نے ایمان کو اور اپنے مومن بندے کے دل میں اس کے راسخ ہونے اور بندوں کے احوال قلوب کا علم رکھنے کو واضح فرمایا کہ کون ہدایت کا اہل ہے اور کون نہیں)۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے۔

دیوبندی مکتب فکر کے ایک عالم مولانا حافظ نذیر احمد دہلوی سورہ النور کی آیہ کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''اللہ ہی کے نور سے آسمان اور زمین کی روشنی ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اور

طاق میں ایک چراغ رکھا ہے اور چراغ شیشہ کی ایک قندیل میں ہے اور قندیل اس قدر شفاف ہے کہ گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے۔ وہ چراغ زیتون کے ایک مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ پورب کے رخ واقع ہے اور نہ پچھم کے رخ۔ اس کا تیل اس قدر صاف وشفاف ہے کہ اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے آپ جل اٹھے گا۔ غرضیکہ ایک نور نہیں بلکہ نور علی نور یعنی نور پر نور۔ اللہ تعالیٰ جس کسی کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف راہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کو سمجھانے کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کے حال سے واقف ہے۔''

مولانا آیہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ (۳۵) کی وضاحت آیہ ۳۶ اور ۳۷ میں یوں کرتے ہیں،

''دنیا کا کوئی نور اللہ کے نور کی ماہیت کو نہیں پاسکتا تاہم لوگوں کو سمجھانے کیلئے دنیا ہی کے کسی نور کی مثال لینا ہوگی سو جس نور سے خدا کے نور کو تشبیہ دی گئی ہے اس میں عمدہ صفتیں جمع ہیں کہ چراغ ہے تو یہ مطلق نور ہوا۔ پھر طاق میں رکھا ہے تاکہ روشنی منتشر نہ ہو بلکہ ایک ہی جگہ مرکوز رہے پھر چراغ شیشہ کی قندیل میں ہے جس کا شیشہ بھی نہایت شفاف ہے اور تیل جو اس چراغ میں جلتا ہے زیتون کا ہے کہ دنیا کے عام تیلوں سے اس کی روشنی بدرجہا صاف ہوتی ہے اور یوں بھی زیتون کا درخت بڑا مبارک ہے کہ لوگوں کیلئے اس میں چند در چند فائدے ہیں اور زیتون بھی سایہ پرور کہ باغ کے نہ پورب کی طرف واقع ہے اور نہ پچھم کی طرف بلکہ بیچ باغ میں ہے اور ہمہ وقت سائے میں رہتا ہے۔ ایسے درخت کا تیل خواہی نخواہی عمدہ سے عمدہ ہوتا ہے۔ پھر وہ چراغ بت خانے، شراب خانے یا قمار خانے کا نہیں بلکہ خانہ خدا میں جل رہا ہے جہاں خدا پرست لوگ خلوصِ دل سے عبادت میں مصروف ہیں۔ اتنی صفتوں کا چراغ ہو تو کسی قدر اس نور کو خدا سے مشابہت ہوسکتی ہے۔''

مولانا مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''جس طرح دنیا کے نوروں میں سے کوئی نور اس درجہ کا نہیں ہوسکتا کہ اس کو خدا کے نور سے قریبی مشابہت دی جائے اسی طرح دنیا کی تاریکیوں میں کوئی تاریکی ایسی نہیں ہوسکتی کہ اس کو کفر کی تاریکی سے مشابہت دی جائے۔''

دیوبندی نقطہ نظر کے ایک مشہور و معروف عالم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سورہ النور کی آیہ مبارک (۳۵) کی وضاحت پر اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' کے صفحہ ۶۹۷ پر یوں رقمطراز ہیں

''اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی حالت بعینہٖ ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک قندیل میں ہے، وہ قندیل ایسا ہے جیسا ایک چمکدار سا تارا ہو۔ وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون ہے۔ نہ پورب رخ ہے نہ پچھم رخ ہے۔ اس کا تیل اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا، نور علیٰ نور ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور تک جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

تھانوی صاحب آیہ نور کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں

''اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت دینے والا ہے آسمانوں میں رہنے والوں کا اور زمین میں رہنے والوں کا یعنی اہلِ آسمان اور اہلِ زمین میں جن کو ہدایت ہوئی ہے ان سب کو اللہ ہی نے ہدایت دی ہے اور مراد آسمان و زمین سے کل عالم ہے۔ پس جو مخلوقات آسمانوں و زمین سے باہر ہیں وہ بھی داخل ہوگئیں جیسے حملۃ العرش۔ اس کے نورِ ہدایت کی حالتِ عجیبہ ایسی ہے جیسے فرض کرو ایک طاق ہے اور اس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہے اور وہ چراغ خود طاق میں نہیں رکھا بلکہ ایک قندیل میں ہے اور قندیل طاق میں رکھا ہے اور وہ قندیل ایسا صاف شفاف ہے جیسا ایک چمکدار ستارہ ہو اور وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون کا درخت ہے جو کسی آڑ کے نہ پورب رخ ہے اور نہ کسی آڑ کے پچھم رخ ہے یعنی نہ اس کے جانب شرقی کسی پہاڑ یا درخت کی آڑ ہے کہ اول نہار میں اس پر دھوپ نہ پڑے اور نہ جانبِ غربی میں اس کی کوئی آڑ ہے کہ آخر نہار میں اس پر دھوپ نہ پڑے بلکہ کھلے میدان میں ہے جہاں تمام دن دھوپ رہتی ہے۔ ایسے درخت کا روغن بہت لطیف اور صاف اور روشن ہوتا ہے اور اس کا تیل اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو نور علیٰ نور ہے یعنی ایک تو اس میں خود قابلیت نور کی اعلیٰ درجہ کی تھی پھر اوپر

سے فاعل یعنی نار کے ساتھ اجتماع ہوگیا اور پھر اجتماع بھی ان کیفیات کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو جس سے بالمشافہ وہ چمک بڑھ جاتی ہے اور پھر ایسے طاق میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہے ایسے موقع پر شعائیں ایک جگہ سمٹ کر بہت تیز روشنی دیتی ہیں اور پھر تیل بھی زیتون کا جو مزید اشراق وقلت دخان میں مشہور ہے۔ تو اس قدر روشنی ہوگئی جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہوگئی ہوں اس کو نورٌ علیٰ نور فرمایا۔ مثال یہاں ختم ہوگئی۔ پس اس طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا انشراح قبولِ حق کیلئے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ہر وقت احکام پر عمل کرنے کیلئے تیار رہتا ہے گویا بالفعل بعض احکام کا علم بھی نہ ہوا ہو کیونکہ علم تدریجاً حاصل ہوتا ہے جیسا وہ تیل قبل مس نار اشتعال کیلئے مستعد تھا اور جب اس کو علم حاصل ہوتا ہے تو نور عمل یعنی عزم علی العمل کے ساتھ جو کہ ایک حال رفیع ہے۔ نور علم بھی منضم ہو جاتا ہے جسے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے۔ پس عمل اور علم جمع ہو کر نورٌ علیٰ نور صادق آ جاتا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ علم احکام کے بعد اس کو تامل و تردد ہو کہ اگر موافق نفس پایا تو قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کیلئے یہ مثالیں بیان فرماتا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔"

پروفیسر حمید عسکری ایک معروف سائنسدان ہونے کے باوصف دین سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے، دین سے وابستگی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے قرآن مجید فرقان حمید کا ترجمہ کر کے شائقین دین متین میں ہدیۃً تقسیم کیا **فجزاک اللہ عزو جل احسن الجزاء**۔ پروفیسر صاحب اپنے ترجمہ کے صفحہ ۳۲۰ پر سورہ النور آیہ ۳۵ کے ضمن میں لکھتے ہیں

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو اس میں ایک چراغ ہو، وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو اور شیشہ ایسا ہو گویا چمکتا ہوا تارا ہے۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل یعنی زیتون جلتا ہے۔ وہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ اس کا تیل روشن ہونے کو تیار ہوتا ہے خواہ اس کو آگ نہ بھی چھوئے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اللہ لوگوں کے واسطے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔"

دیوبندی مکتبِ فکر کی دو محترم شخصیتوں (حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا

شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے اشتراک فکر وعمل سے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر لکھی ہے۔ مقدم الذکر نے قرآن پاک کا ترجمہ نہایت عالمانہ انداز میں کیا ہے اور موٴخر الذکر نے نہایت محققانہ انداز میں تفسیر لکھی ہے۔ ان معزز حضرات کی کاوشوں کا مطالعہ یقیناً استفادہ کا باعث ہے جو انہوں نے سورہ النور کی آیہ ۳۵ کے ضمن میں رقم کی ہیں۔

''ترجمہ: اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی---تفسیر: یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین اور آسمان کی اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (موضح القران)۔ سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے، انبیاء واولیاء میں جو ظاہری و باطنی روشنی ہے اسی منبع النور سے مستفاد ہے۔ ہدایت ومعرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہِ رفیع سے پہنچتا ہے۔ تمام علویات اور سفلیات اس کی آیات تکوینیہ وتنزیلیہ سے منور ہیں۔ حسن وجمال یا خوبی وکمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اسی کے وجہ منور اور ذاتِ مبارک کے جمال وکمال کا ایک پرتو ہے۔ سیرت ابنِ اسحاق میں مذکور ہے کہ طائف میں جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تو یہ دعا زبان پرتھی

اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت له الظلمات و صلح علیه امر الدنیا و الاخرة ان یحل بی غضبیک او ینزل بی سخطک لک القعبیٰ حتی ترضی ولا حول ولا قوت الا باللہ

رات کی تاریکی میں آپ اپنے رب کو **انت نور السمٰوٰت والارض** کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان، آنکھ، ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اس سے نور طلب فرماتے اور اخیر میں بطور خلاصہ فرماتے **و اجعل لی نورًا یا اعظم لی نورًا یا واجلعنی نورًا** یعنی میرے نور کو بڑھا بلکہ مجھے نور ہی نور بنا دے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے

ان اللہ خلق خلقه فی ظلمةٍ ثم القٰی علیھم من نوره فمن اصابه
من نوره یومئذ ن اذ تدیٰ و من اخطاه صل (فتح الباری ۶/ ۲۳۰)

یعنی جس کو اس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ ہدایت پر آیا اور جو اس سے چوکا گمراہ رہا۔

واضح رہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع، بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا

سکتی ایسے ہی صفت نور بھی ہے۔ ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔ تفصیل امام غزالی کے رسالہ مشکوٰۃ الانوار میں دیکھیں۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ
دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ
تَمْسَسْہُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط وَ
اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (النور: ۳۵)

مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق ہو اور اس میں ایک چراغ ہو۔ وہ چراغ دھرا ہوا ایک شیشہ میں وہ شیشہ جیسے ایک چمکتا ہوا تارا۔ تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت والے درخت کا۔ وہ (درخت) زیتون نہ مشرق کی طرف نہ مغرب کی طرف۔ قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ --- روشنی پر روشنی۔ اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب چیز کو جانتا ہے۔‘‘

’’تفسیر: یوں تو اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے لیکن مومنین اور مہتدین کو نور الٰہی سے ہدایت و عرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھیں گویا مومن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارے کی طرح چمکدار شیشہ (قندیل) رکھا ہو۔ یہ شیشہ اس کا قلب ہو اجسکا تعلق عالم بالا سے ہے۔ اس شیشہ (قندیل) میں معرفت وہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسے صاف و شفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو کسی حجاب سے نہ مشرق میں ہو نہ مغرب میں یعنی کسی طرح دھوپ کی روک نہیں۔ کھلے میدان میں کھڑا ہے جس پر صبح وشام دونوں وقت کی دھوپ پڑتی ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایسے زیتون کا تیل اور بھی زیادہ لطیف وصاف ہوتا ہے۔ غرض اس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدوں آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائیگا۔ یہ تیل میرے نزدیک اسی حسنِ استعداد اور نور توفیق کا ہوا جو نور مبارک کے القا سے بدء فطرت میں مومن کو حاصل ہوا تھا جیسا کہ اوپر کے فائدہ

میں گزر چکا ہے اور جس طرح شجر مبارک کو لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ فرمایا تھا وہ نورِ ربانی بھی جہت کی قید سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مومن کا شیشہ دل نہایت صاف ہوتا ہے اور خدا کی توفیق سے اس میں قبولِ حق کی ایسی زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ بدوں دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی و قرآن کی تیز روشنی نے اس کو مس کیا فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی اسی کو نورٌ علیٰ نور فرمایا۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جسکو چاہے اپنی روشنی عطا فرمائے اور وہی جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہئے کس کو نہیں۔ ان عجیب و غریب مثالوں کا بیان فرمانا بھی اسی غرض سے ہے کہ استعداد رکھنے والوں کو بصیرت کی ایک روشنی حاصل ہو۔ حق تعالیٰ ہی تمثیل کے مناسب موقع و محل کو پوری طرح جانتا ہے۔ کسی دوسرے کو قدرت کہاں کہ ایسی موزوں و جامع مثال پیش کر سکے۔''

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی بلند پایہ دینی تصانیف اور قابل قدر سلسلہ استفتاء کی بنا پر مکتبہ دیوبند کے اکابر علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید فرقان حمید کی تفسیر ریڈیو پاکستان سے سالہا سال تک نشر کی۔ یہ تفسیر اتنی جامع اور مفصل ہے کہ سرزمین پاک و ہند کے طول و عرض سے خواص و عوام نے خواہش ظاہر کی کہ اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے چنانچہ فرید بلڈ پو دہلی نمبر ۶ نے اس تفسیر کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے، ملاحظہ کیجئے

آیات کا ترجمہ و تفسیر

''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط --- اللہ روشنی ہے آسمانوں کی (یعنی اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں میں رہنے والوں کا اور زمین میں رہنے والوں کا یعنی اہلِ آسمان اور زمین میں جن کو ہدایت ہوئی ہے ان سب کو اللہ ہی نے ہدایت دی ہے اور مراد آسمان و زمین سے کل عالم ہے۔ پس جو مخلوقات آسمان و زمین سے باہر ہیں وہ بھی داخل ہوگئیں جیسے حاملانِ عرش۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اس کے نور ہدایت کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق ہے اور اسمیں ایک چراغ رکھا ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ط وہ چراغ دھرا ہوا ایک شیشہ میں۔ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ

(باقی صفحہ نمبر ۵۰ پر)

قسط نمبر ۷

روحِ اسلام (تصوف)

حضرت قبلہ ڈاکٹر محمد عطاء اللہ قادری جلوی رحمۃ اللہ علیہ

رہی عام لوگوں کی توبہ تو وہ گناہ کو چھوڑنا، اس پر پشیمان ہونا ہے اس سے بچنے کا پکا عہد کرنا اور اس سے اس طرح بچنا کہ پھر اس کا خیال تک بھی نہ آئے۔ اور خاص لوگوں کی توبہ غفلت سے ہے۔ وہ خدا سے کسی وقت غافل نہیں ہوتے بلکہ ہر وقت اس کی یاد میں رہتے ہیں اور خاص الخاص کی توبہ ہے ماسوی اللہ سے۔ جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے جب پوچھا گیا کہ مردوں کا کیا کام ہے تو فرمایا ’’اللہ کے سوا اور کسی سے دل نہ لگائے۔‘‘ اسی طرح ابوالحسن نوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں ’’التوبہ ان تتوب من کل شئی سوی اللہ عزوجل ‘‘ یعنی توبہ یہ ہے کہ تو رجوع کرے اس چیز سے جو اللہ عزوجل کے سوا ہے (یعنی ماسوی اللہ کو چھوڑ دے)۔

شرائطِ توبہ

توبہ توبہ نہیں ہوتی جب تک یہ تین شرائط پوری نہ ہوں۔ پہلی شرط گناہوں پر پشیمان ہونا ہے جیسا کہ فرمایا جناب رسول خدا ﷺ نے کہ پشیمانی توبہ ہے اور پشیمانی کے صحیح ہونے کی علامت دل کا نرم ہونا اور آنسوؤں کا بہت بہنا ہے اور فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ وہ بہت نرم دل ہیں۔ دوسری شرط گناہوں کو ترک کرنا ہے سب حالتوں میں اور سب وقتوں میں یعنی جب گناہوں کو مکمل طور پر چھوڑے گا نہیں تو توبہ نہیں ہوگی۔

تیسری شرط پختہ عزم، ارادہ اور عہد کرنا کہ پھر گناہوں کی طرف نہ لوٹے گا اور واقعتاً عمل میں گناہوں کی طرف نہ لوٹے حتیٰ کہ ان کا خیال تک بھی نہ آئے یعنی ظاہر اور باطن میں چھوڑ دے جیسا کہ فرمایا حضرت ابوبکر واسطی قدس سرہٗ نے کہ توبۃ النصوح یعنی خالص توبہ یہ ہے کہ نہ باقی رہے گناہ کرنے

والے پر گناہ کا اثر باطن میں اور نہ ظاہر میں۔ جس کی توبہ خالص ہو وہ نہیں پرواہ رکھتا کہ کس طرح شام کرے یا صبح کرے۔ یہ شخص نہیں جاتا نزدیک گناہ کے کیونکہ گناہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان پردہ ہے اور فرمایا جناب محبوب سبحانی، قندیلِ نورانی، ہیکلِ یزدانی، شہبازِ لامکانی ابو محمد محی الدین سید شیخ عبدالقادر جیلانی ؓ نے کہ تنگی رزق اور حال کی پریشانی، غم، رنج، تفکرات بوجہ گناہوں کے اور تقدیر الٰہی پر اعتراض کرنے کے ہوتے ہیں پس گناہوں میں ہلاکت ہے اور اطاعت میں بقاء اور سلامتی ہے اور نیک بختی دنیا اور آخرت کی اور فرمایا کہ اپنی عمر کے سال سال، مہینہ مہینہ اور دن دن میں فکر اور جستجو کرے کہ کون سے گناہ ہوئے ہیں اور کون سی طاعت رہ گئی ہے۔ گناہوں سے سچی توبہ کرے اور فرائض جو ادا نہیں ہوئے ان کی قضاء کرے اور نیکیاں زیادہ کرے کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو اور جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو ان سے معافی حاصل کرے جو زندہ ہوں اور ان کیلئے دعاء رحمت اور ایصالِ ثواب کرے جو مردہ ہوں۔ تفصیل اس کی کتب فقہ میں ہے اور چاہیے کہ مومن صبح کے وقت توبہ کرے پھر شام کے وقت توبہ کرے۔ ہر روز کرے ہر وقت توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کیلئے گڑگڑا کر دعا کرتا رہے، وہ غفور الرحیم ہے ضرور بخش دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ایسا بندہ نہیں جس نے کہ گناہ کیا ہے پھر اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھی اور طلب بخشش گناہ کی کی مگر یہ کہ حق ہے اوپر اللہ تعالیٰ کے کہ بخش دے اس کو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص کہ کرتا ہے بدی یا ظلم اپنے نفس پر پھر بخشش طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے، پائے گا اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان۔ پس چاہیے کہ بندہ گنہگار وضو کرکے دو رکعت نفل نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ ضرور بخش دیتا ہے کیونکہ اس نے بخشش مانگنے والے کی بخشش اپنے اوپر واجب کر لی ہے۔

توبہ خالص کے بعد ضروری ہے کہ انسان پرہیز گاری (ورع) کا راستہ اختیار کرے کیونکہ اس پرہیز گاری کے ذریعہ سے ہی دنیا میں حقوق اللہ، حقوق العباد کی ادائیگی سے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پا سکتا ہے اور پرہیز گاری سے تھوڑا عمل بہتر ہے بہت عمل بغیر پرہیز گاری کے جیسا کہ

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **مثقال ذرۃ من الورع خیر من الف مثقال من الصوم الصلوۃ** یعنی مقدار ایک ذرہ عمل ساتھ پرہیزگاری کے بہتر ہے مقدار ہزار مثقال روزہ اور نماز سے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ نزدیک نہیں ہوتے طرف میرے نزدیک ہونے والے مثل پرہیزگاری کے اور کہا گیا ہے کہ واپس کرنا چھٹے حصہ درہم کا چاندی (جو اس کا نہیں) بہتر ہے نزدیک اللہ تعالیٰ کے چھ سو حج مقبولہ سے یا ستر مقبولہ حج سے اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ چھوڑ دینا ایک فلوس حرام کا سو فلوس صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

اب جاننا چاہئے کہ پرہیزگاری (ورع) کیا ہے۔ پرہیزگاری حرام سے بچنا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان مشبہات ہیں کہ نہیں جانتے ان کو بہت لوگ۔ پس جو شخص کہ شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو پاک کر لیا اور جو شخص کہ شبہات کی چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا وہ حرام میں واقع ہوا ہے جیسے کہ مال مویشی چرانے والا اپنے مال کو رکھ (یعنی فصل) کے اردگرد چراتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کے مویشی اس رکھ میں جا پڑیں اور تحقیق واسطے ہر بادشاہ کے رکھ ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ کی رکھ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ خبردار بیشک بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے کہ جب وہ نیک اور درست ہے تو اس کا تمام جسم نیک اور درست ہے اور جب وہ ٹکڑا خراب ہو گیا تو تمام جسم اس کا خراب ہو جاتا ہے خبردار وہ ٹکڑاءِ گوشت دل ہے۔

پس پرہیزگاری حرام کے علاوہ مشتبہ سے بھی بچنا ہے اسی لئے حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ پرہیزگاری دو قسم ہے: ایک حرام یعنی گناہوں سے بچنا جو فرض ہے اور دوسری قسم عذر ہے یعنی شبہات سے بچنا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ چھوڑ دو اس چیز کو جو تمہیں شک میں ڈالے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ وہ چیز ہے کہ کھٹکے تیرے دل میں اور مکروہ جانے تو یہ کہ مطلع ہوں اوپر اس کے لوگ۔ اسی لئے حضرت بشیر بن حارث قدس سرہٗ کا قول ہے کہ سخت ترین اعمال میں سے تین ہیں: خیرات کرنی قلت کے وقت، پرہیزگاری کرنی تنہائی میں اور کلمہ حق کہنا سامنے اس شخص

کے جس سے خوف ہو۔

پس پرہیز گاری بچنا ہے حرام سے، گناہوں سے۔ اس پر شریعت کے احکام واضح ہیں اور دوسرے بچنا ہے مشتبہ سے یعنی وہ غذا، مال، چیز یا کام جس میں شک ہو، دل میں تردد ہو، جس کے متعلق اختلاف رائے ہو، دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دینا اور تیسری قسم پرہیز گاری ترک ہے۔

اور یہ ترک پھر تین قسم ہے: پہلی قسم یہ ہے کہ دل میں دنیا نہ رہے یعنی مال، اہل اولاد، عزت تکریم جائیداد وغیرہ سے محبت بلکہ تعلق نہ رہے، اس کو ترکِ دنیا کہتے ہیں مگر یاد رہے یہ رہبانیت نہیں بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے علیحدہ رہنا یعنی دل میں نہ رہے جیسے کہ حضرت پیرانِ پیر سید شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ مال و دولت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کو ہاتھ میں رکھ، جیب میں رکھ مگر دل میں نہ رکھ جس کی علامت یہ ہے کہ اس کے آنے سے خوشی نہ ہو اور جانے سے غم نہ ہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ دل میں آخرت اور اس کی نعمتیں بھی نہ رہیں یعنی اعمال میں نیت آخرت نہ ہو صرف خوشنودیٔ خدا ہو۔ خدا کی محبت میں خدا کی اطاعت۔ تیسری قسم یہ ہے کہ جملہ ماسویٰ سے دل خالی ہو جائے نہ دنیا سے تعلق نہ آخرت سے واسطہ۔ خدا کے سوا اور کسی سے دل نہ لگائے۔ جہاں تک لقمہ حلال کا تعلق ہے یہ حقیقت واضح ہے کہ حلال سے نیکی پیدا ہوتی اور حرام سے بدی اور نہیں قبول ہوتی کوئی عبادت اگر لقمہ حلال نہ ہو۔

سیدنا غوث الاعظم ؒ نے طعام کے لحاظ سے لوگوں کو تین قسموں میں تقسیم فرمایا ہے: ایک متقی، دوسرا ولی اور تیسرا بدل عارف، حلال متقی کیلئے وہ چیز ہے کہ نہیں واسطے مخلوق کے اسمیں حصہ وحق اور نہ ہے واسطے شرع کا اوپر اسکے مطالبہ۔ یہ عامتہ المسلمین سے اعلیٰ ہے کہ وہ ہر گناہ، حرام اور مشتبہ سے بچنے والا ہے عام مخلوق سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے، یہ متقی ہے مطابق تعریف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ۔

دوسرا ولی حق ہے جو ہوائے نفس سے بھی پاک ہے بلکہ وہ مجرد امر الٰہی کے تابع ہے۔ امر الٰہی کے بغیر نہیں کھاتا، یہ متقی سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی خوراک فاقہ، نیند غلبہ کے وقت اور کلام ضرورت سے۔ یا فرمایا کہ ولی خدا کے حکم سے کھاتا اور خدا کے حکم سے کلام کرتا ہے

(جیسا کہ آخرت میں خدا کے حکم سے اعضاءِ انسانی کلام کریں گے) اور نیند کے غلبہ کے وقت بھی آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔

اور بدل عارف وہ ولی حق ہے جس کا ارادہ بھی زائل ہو گیا، جس کا ارادہ، ارادۂ الٰہی سے بدل گیا ہے، وہ مجرد تقدیر الٰہی ہے کہ نہیں ہے اس میں خواہش، ہمت اور ارادہ اس پر تمام کا تمام فضل الٰہی ہے کہ رزق دیتا ہے اس کو۔ راہبری کرتا ہے، اسکی پرورش کرتا ہے، اس کے ساتھ اپنی قدرتِ کاملہ کے اور ساتھ احسان اور نعمت عامہ کے اور مشیت نافذہ کے مانند بچے دودھ پینے والے کی گود میں اپنی ماں شفیقہ کے۔

مگر جب تک نہ متحقق ہو پہلا مرتبہ یعنی متقی نہ ہو نہیں پہنچ سکتا مرتبہ دوسرے کو یعنی ولی حق کے مرتبہ کو اور جب تک درست نہیں ہوتا مرتبہ دوسرا یعنی نہیں ہوتا ولی حق نہیں پہنچ سکتا مرتبہ تیسرے کو یعنی نہیں ہو سکتا بدل عارف۔ ابدال کو ابدال ہی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انہوں نے بدل لیا اپنا ارادہ ساتھ ارادہ الٰہی کے۔ عام روایت ہے کہ یہ قدس ہستیاں عالم میں چالیس ہیں اور نظامِ عالم انہیں سے متعلق ہے

واللہ اعلم بالصواب

حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی ؒ اپنی مشہور تصنیف فتوحاتِ مکیہ اور رسالہ احدیہ میں فرماتے ہیں کہ عالم میں ایک قطب، دو امام، چار اوتاد، سات ابدال، بارہ نقباء اور آٹھ نجباء ہوتے ہیں اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی ؒ غوث الاعظم ہیں۔ پرہیزگاری کی تعریف اس سے بہتر نہیں ہو سکتی جو اس حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے

جمیع التقوی فی قوله عز و جل ان الله یامر کم بالعدل والاحسان و ایتای ذی القربی و ینتھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم تذکرون

"تمام پرہیزگاری اس قول اللہ تعالیٰ میں مذکور ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے تم کو ساتھ عدل اور احسان کے اور دینے مال کے طرف اپنے اقرباء کے اور منع کرتا ہے تم کو برے کاموں اور بے حیائی کی باتوں اور نافرمانی سے نصیحت کرتا ہے تم کو کہ تم نصیحت قبول کرو۔"

اس حدیث شریف اور قول اللہ تعالیٰ کی شرح تو طویل ہے جو تفاسیر قرآن میں موجود ہے مگر مختصراً یہ

ہے کہ عدل اختیار کرے یعنی ہر ایک حق دار کو اس کا حق دے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت کرے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ فرائض اور حقوق کی ادائیگی کے علاوہ کثرت سے نیکیاں کرے، نوافل، صدقہ، خیرات۔ اس کی بہترین مثال حدیث قربِ نوافل ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ بذریعہ نوافل میرا قرب چاہتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں حتیٰ کہ میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (او کمال قال)۔ اور مشہور حدیث احسان میں ہے کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا (یعنی یہ تیرا حال نہیں) تو اس یقین سے عبادت کر کہ وہ تجھے دیکھتا ہے---او کمال قال۔

یہی احسان ہی تصوف کی بنیاد اور روح ہے یعنی عبادت اس پایہ کی کہ جس میں خدا کا مشاہدہ ہو اور اگر یہ مقام نہ ہو تو کم از کم معائنہ ہو یعنی خدا کے حضور میں ہو۔ عدل اور احسان کے علاوہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم ہے اور سب سے زیادہ مستحق غریب اور مسکین اقربا یعنی رشتہ دار ہیں اور یہ تو مسلم امر ہے کہ پرہیزگاری خدا کی نافرمانی برے اور بے حیائی کے کاموں سے بچنا ہے اور تقویٰ یعنی پرہیزگاری، اعلیٰ صفات، مقامات و مدارج کی بنیاد ہے۔ متقی وہ مردِ مومن ہے جو اعلیٰ صفات سے مزین ہو۔

محبت

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے (یعنی مومنین) کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے **لا ایمان لمن لا محبت لہ** یعنی فرمایا جناب رسول کریم ﷺ نے کہ وہ شخص مومن نہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت نہیں پس ایمان محبت ہے۔ ایمان میں وہ ذوق وہ شوق اور وہ ایقان یعنی یقین پیدا نہ ہوگا جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت بلکہ شدید محبت نہ ہوگی اور اسی شدید محبت کا دوسرا

نام عشق ہے۔ یقین کے تینوں مراتب جن کا قرآن پاک میں ذکر ہے یعنی علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین اسی عشق الٰہی کے مراتب ہیں۔ جب محبت کی ابتدا ہوتی ہے تو محبوب کے متعلق علم حاصل ہوتا ہے۔ اس کی خوبیاں، اس کے کمالات، اس کی علوِ شان، اس کی اعلیٰ صفات کا جب انسان کو علم ہوتا ہے تو اسے محبت ہو جاتی ہے مگر اس علم میں ابھی شک اور گمان کا عنصر ہے۔

محبت جب اور ترقی کرتی ہے تو محبوب کو دیکھنے، اس کے جمال کا مشاہدہ کرنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے، یہ محبت کا قدرتی تقاضا ہے۔ خواہ وہ محبت مجازی ہو یا حقیقی یعنی صورت کی ہو یا بے صورت کی۔ عورت یا مرد کی ہو یا خدا اور رسول کی۔ اس مشاہدہ کی کیفیت، درجہ اور مرتبہ محبوب کی شان اور شدت محبت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس سے جو محبوب کے متعلق علم حاصل ہوتا ہے وہ وہم، شک اور گمان سے پاک اور یقینی ہوتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“ شنید شنید ہے دید دید ہے یعنی محبوب کے متعلق دوسروں سے سن کر یا کتابوں میں پڑھ کر یا روایتوں کے ذریعہ علم سنا سنایا اور غیر یقین ہوتا ہے مگر جو محبوب کو دیکھ لیتا ہے اسکا علم یقینی اور ہر قسم کے شک سے پاک ہوتا ہے، اسے کسی روایت، کسی تحقیق اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں رہتی، یہ عین الیقین ہے۔

اور جب محبت اس سے بھی ترقی کر جائے اور اس میں اور شدت آ جائے تو یہ تقاضا کرتی ہے کہ محب محبوب میں مستغرق اور فنا ہو جائے تا کہ دوئی باقی نہ رہے، ماسوئی نہ رہے اور سوائے یار کے اور کچھ نہ رہے جیسا کہ در حقیقت ہے یعنی سوائے خدا کے دوسرا عرصہ وجود میں نہیں ہے اور ماسوئی کو صرف عشق کی آگ ہی جلا سکتی ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے **العشق نار یحرق ماسوی اللہ** یعنی عشق وہ آگ ہے جو ماسوئی اللہ کو جلا دیتی ہے اور سالک عاشق صادق فراغت عن ماسوئی اللہ حاصل کر کے واصل باللہ ہو جاتا ہے اور مرتبہ حق الیقین یعنی مرتبہ فنا فی اللہ و بقا باللہ سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اسی کی تعریف میں حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری قدس سرہ اپنی تصنیف ”کشف المحجوب“ میں فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔

مراتب عین الیقین اور حق الیقین جن کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے کی سمجھ اس وقت تک نہیں آتی

جب تک حال نہ ہو اور جب تک خود انسان پر وارد نہ ہو اور اس میں مبتلا نہ ہو۔ عشق جو ادراک عطا کرتا ہے اس کی شان اور خصوصیت ہی کچھ اور ہے، وہ بہت اعلیٰ اور ارفع ہے اس سے جو علم عطا کرتا ہے

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن! کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب
(اقبال)

علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کا تھوڑا سا اندازہ ایک مثال سے ہو سکتا ہے مثلاً کسی جگہ کوئی حادثہ یا واقعہ ہو گیا آپ کو اخبار سے یا کسی کتاب میں پڑھ کر، یا کسی آدمی سے جو کہتا ہے کہ وہ موقع پر موجود تھا علم ہوتا ہے--- یہ علم الیقین ہے (یقین سے مراد کوئی حقیقت ہے اور اصطلاحی معنی کے مطابق آخرت اور ذاتِ حق تعالیٰ ہے)۔

اس علم سے اعلیٰ وہ علم ہے جو اس شخص کو ہے جو موقع پر موجود تھا۔ یہ واقعہ یا حادثہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ اس نے دیکھا اول سے آخر تک دیکھا یہ عین الیقین ہے۔ اس شخص کو اپنے علم میں کوئی شک شبہ یا تردد نہیں ہے۔

اور سب سے اعلیٰ علم اس شخص کا ہے جو اس واقعہ یا حادثہ کا حصہ تھا یعنی اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور وہ اس حادثہ کا شکار ہوا۔ اس کا علم حق ہے، سب سے زیادہ سچا اور صحیح ہے اور جو اس نے دیکھا اور محسوس کیا کسی اور نے نہ دیکھا اور نہ محسوس کیا کیونکہ وہ تو اس میں فنا ہو گیا جس کے بعد اسے دوبارہ زندگی ملی، یہ حق الیقین ہے۔

پس صحیح علم، صحیح ایمان اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک مشاہدہ نہ ہو اور اس کا خود تجربہ نہ ہو۔ سن کر یا کتابوں میں پڑھ کر روایتوں سے ایمان صحیح نہیں ہوتا۔ صرف مشاہدہ اور تجربہ سے صحیح اور پختہ ہوتا ہے اور مشاہدہ اور تجربہ نہیں ہوتا بغیر عشق کے۔ پس عشق اختیار کر، عشق کرنا سیکھ، محبت کے میدان میں آ۔ پہلے

محبوب اختیار کر پھر سب کچھ یعنی مال جان، آن، اہل، آل اولاد اس کے قدموں میں دے ڈال۔ عاشق کا مذہب، دین، ایمان محبوب ہے

ملت عشق از ہمہ دیں ہا جدا است
عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

(رومی)

اس سے بھی اچھی مثال یہ ہے کہ ایک نیک اور پاک شخص کے متعلق آپ کسی سے سنتے ہیں جس نے اس شخص کو دیکھا ہے یا کسی کتاب میں اس کے متعلق پڑھتے ہیں یہ علم الیقین ہے۔ دوسرا اس شخص کا علم ہے جس نے اس نیک شخص کو دیکھا ہے اور اس کی صحبت میں رہا ہے یا رہتا ہے اور تیسرا اس شخص کا علم ہے جو اس نیک شخص کی محبت میں گرفتار ہے۔ تینوں کے ایمان اور یقین کا درجہ جدا جدا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ صحیح علم اور صحیح ایمان بغیر عشق کے نہیں آتا۔ اس لئے حق تعالیٰ کے متعلق ایمان اور یقین کا جو درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے وہ دوسروں کا نہیں۔ ان کے بعد اولیاء کرام رحمہم اللہ اور اس کے بعد مومنین و عامۃ المسلمین ہیں۔ یہ تفاوت اور فرق بوجہ عشق ہے اور وہ قرب ہے جو بغیر عشق کے حاصل نہیں ہو سکتا حتی کہ ایمان مجمل بغیر محبت کے نہیں ہے کیونکہ ایمان میں **اقرار ، باللسان --- تصدیق ، بالقلب** اور **عمل ، بالارکان** ہے۔ دل سے تصدیق اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک محبت نہ ہو یعنی جب تک پسند نہ کرے اور عمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل سے تصدیق نہ ہو بلکہ زبان سے اقرار بھی اس وقت ہو گا جب پسند ہو گا۔ (یہ آزاد انسان کیلئے ہے جو نہ کسی خوف کی وجہ سے اور نہ کسی لالچ کی وجہ سے ایمان لائے) اور ارکان سے عمل اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک محبت نہ ہو۔ عمل میں وہ ذوق وشوق، وہ کیف وسرور نہیں ہوتا، وہ اجر اور ثمر مرتب نہیں ہوتا جب تک محبت نہ ہو۔ جو عمل خوف سے کیا جائے یا کسی لالچ یا معاوضہ یا بدلہ کیلئے کیا جائے اس عمل کا وہ مقام نہیں ہوتا جو مقام اس عمل کا ہوتا ہے جو عشق سے سرزد ہوتا ہے اور خوف سے جو عمل ہوتا ہے وہ خشک، بے لذت، بے کیف، بے سرور اور یار سے لاتعلق ہوتا ہے، صرف جسمانی، بے روح اور مردہ ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ محبت کی دو قسم ہیں: ایک مجازی، دوسری حقیقی۔ مجازی محبت ظاہری صورت، عادت، عمل یا کسی ظاہری وجہ سے ہو جاتی ہے۔ یہ محبت کسی مخلوق سے ہو سکتی ہے۔ اس کا تعلق چونکہ جذبات سے ہوتا ہے اور چونکہ کسی ظاہری وجہ سے ہوتا ہے تو جب تک وہ وجہ رہتی ہے، محبت رہتی ہے اور جب وہ وجہ زائل یا اس میں کمی آ جاتی ہے تو محبت بھی زائل ہو جاتی ہے یا اس میں کمی آ جاتی ہے۔ پس محبت عارضی ہوتی ہے سوائے اس کے کہ یہ حقیقی میں بدل جائے۔

اور حقیقی محبت اس ذات سے ہوتی ہے جو ہر شے کی حقیقت ہے یعنی حق تعالیٰ یہ محبت عطیہ ذاتی ہے اور بندہ کے دل پر ایک تجلی ہے جو ایک تڑپ، ایک لگن اور ایک آگ سی لگا دیتی ہے جو سوائے محبوب کے ہر شے کو جلا دیتی ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے **العشق نار یحرق ما سوی اللہ** یعنی عشق ایک آگ ہے جو ما سوی کو جلا دیتی ہے۔

اگر عشق حقیقی ہو جائے تو فراغت عن ما سوی اللہ معاً ہو جاتی ہے۔ کسی اور مجاہدہ اور ریاضت سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ یہ سب سے سخت اور ہمہ وقتی ریاضت ہے جو ایک لمحہ بھی چین سے نہیں رہنے دیتی۔ دن رات عاشق اسی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ نہ دن آرام نہ رات چین۔ حال تو عشق مجازی والے کا بھی یہی ہوتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ عشق مجازی والا معشوق کے دیدار اور وصال سے سکون میں ہو جاتا ہے مگر عشق حقیقی والے کی آگ دیدار اور وصال سے اور بھڑکتی ہے سکون جاتا رہتا ہے کہ **السکون حرام علی اولیاء اللہ** یعنی اولیاء پر سکون حرام ہے۔ اولیاء اللہ کون ہیں؟ اللہ کے دوست، اللہ کے عاشق۔ عشق حقیقی میں وصال نام کی کوئی چیز نہیں کیونکہ محبوبِ حقیقی سے وصال ممکن نہیں۔ کہاں حادث اور کہاں قدیم، کہاں خلق اور کہاں حق۔ کہاں بندہ اور کہاں رب۔ کہاں اسفل اور کہاں اعلیٰ۔ کہاں عدم اور کہاں وجود۔

عشق حقیقی کا تعلق بندہ کے قوائے ظاہری جسمانی سے نہیں۔ نہ دل سے نہ دماغ سے اور نہ باقی اعضا وجوارح سے۔ یہ تو محبوب اگر چاہے تو بندہ میں اپنی روح پھونک دے جو اپنے محبوب کے عشق میں گرفتار ہو جائے اور اسی کی طرف واپس لوٹنے کیلئے تڑپتی رہے۔ یہ روح حیوانی نہیں یہ روح رحمانی ہے۔ روح حیوانی سے ہر حیوان اور اسی طرح ہر آدمی کی زندگی ہے جو جب نکل جائے تو طبعی موت واقع ہو جاتی

ہے۔ روح رحمانی وہ انسان ہے جو غیر خدا نہیں۔

حق تعالیٰ گفت آدم غیر نیست
کور چشمی و ترا ایں سیر نیست
شد نفخت فیہ من روح آشکار
از دم حق آمدی آدم توئی
سر جاناں بر سر خاک استوار
اصل کرمنا نبی آدم توئی

پس عشق حقیقی ایک راز ہے، ایک سرّ ہے جو میان عاشق و معشوق ہے

میانِ عشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

اصل میں محبوب خود عاشق اور خود معشوق ہے، اپنے آپ پر خود عاشق ہے یعنی خود پر خود ہی عاشق ہو کر خود کو چاہا اور خود کو ہی پا لیا --- اس سے آگے بیان ممکن نہیں --- تمہارے ساتھ ہو گا تو خود ہی معلوم ہو جائے گا

عشق کرم دا ازلی قطرہ تیں میں دے وس ناہیں
ہکناں لبھدیاں ہت نہ آوے ہکناں دے وچ راہیں

یعنی عشق حقیقی یار کا کرم ہے تیرے اور میرے بس کی بات نہیں۔ اس لئے ایک تو ڈھونڈتے رہے نہ ملا اور ایک وہ ہیں جنہیں راستہ میں پڑا مل گیا یعنی خود ہی مل گیا۔ اس لئے خدا کو خدا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ "خود آ" ہے یعنی خود ہی آتا ہے یعنی خدا اگر خود چاہے تو بندہ کو ملے، اس پر تجلی فرمائے، کرم فرمائے اور اپنی محبت نصیب فرمائے

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ

یعنی یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرما دے۔ (جاری ہے)

زندگانی تیری مہتاب سے تابندہ تر

سید پیر محمد شاہ

جمعۃ المبارک (۲۹ اکتوبر ۲۰۰۴ء بمطابق ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ) کی نماز محدث کبیر حضرت سید شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد (لاہور) میں ادا کر چکنے کے بعد سلام کیلئے سب حاضرین کے ساتھ کھڑا ہوا۔ اس وقت دربار مقدس کے سامنے کھڑا تھا اور جب سلام ختم ہوا تو دعا سے پہلے سنا کہ پشاور میں حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی وصال فرما گئے ہیں۔

کہنے والا تو حضرت مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف اور القاب بیان کر رہا تھا اور حاضرین سے اس نے کہا کہ قبلہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روح پُرفتوح کے ایصال ثواب کیلئے سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب ان کی روح کو بخش دیں لیکن یقین کیجئے کہ اس وقت تو میری اس قسم کی کیفیت ہوگئی کہ میں مزید سن ہی نہ سکا کہ وہ شخص کیا کہہ رہا ہے اور کس طرح میں نے حاضرین کے ساتھ مل کو سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھی اور جانے کیا الفاظ قبلہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں میری زبان سے لرزتے ہونٹوں کے ساتھ نکلے۔

لیکن دعا کے اختتام پر میں دیوانہ وار اندر گیا اور اس شخص سے ملا جس نے یہ کلیجہ پھاڑ دینے والی خبر سنائی تھی۔ انہوں نے اپنا نام غلام شاکر ایڈوکیٹ بتایا اور کہا کہ وہ خود کل جنازہ میں شامل ہو کر آئے ہیں۔ یہ سن کر میں نے بے ساختہ ان سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا کہ میں کتنا بدنصیب ہوں کہ نہ میں حضرت کے جنازہ میں شامل ہو سکا اور نہ ان کا آخری دیدار کر سکا اور یہ شخص کتنا خوش نصیب ہے کہ بروقت اطلاع ملنے پر جنازہ میں شمولیت کی سعادت حاصل کر آیا ہے۔

ان صاحب نے مجھے دلاسہ دیا اور مجھے بٹھا کر ایک دفعہ پھر موقع پر موجود حاضرین سے کہا کہ دوبارہ قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں دعا فرماویں۔ اس وقت سے لے کر تادم تحریر میں عجیب کیفیت میں مبتلا

ہوں کیونکہ اس پردیس میں کوئی ایسا واقف کار نہیں جو میرے غم اور کرب کو اپنے ساتھ بانٹ سکے۔

قبلہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت سے فی الحقیقت لاکھوں خاندان سوگوار ہو گئے ہیں اور ان کے سایۂ شفقت سے محروم بھی ہو گئے ہیں لیکن جو خصوصی شفقت آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کی میرے ساتھ تھی اور میں ہمیشہ ان کو یاد رہتا تھا اس چیز کو جب بار بار یاد کرتا ہوں تو دل سے بے اختیار آہ نکلتی ہے کہ میں کتنا نامراد ہوں کہ جب قبلہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دارِ فانی سے پردہ فرما کر ابدی آرام گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو پشاور سے دور لاہور آیا ہوا تھا۔

جو حیاتِ پاکیزہ قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ نے گزاری اس کا ہر ہر پہلو ایک روشن چراغ ہے جو کہ بھٹکے ہوؤں اور بے سکون لوگوں کیلئے رہنمائی اور تسکین کا باعث ہے۔ ان کا علمی تبحر، ان کے عمل کی استقامت، ان کا تقویٰ، ان کا زہد، ان کی للّٰہیت اور مخلوقِ خدا کے ساتھ ان کی شیریں کلامی غرض کسی چیز میں مجھے اس دور میں ان کا مثل نہیں نظر آتا۔

دراصل وہ حسن اخلاق کی ایسی مجسم تصویر تھے کہ ہر شخص ان کا گرویدہ تھا۔ چاہے اس کا تعلق کسی بھی طبقہ، کسی بھی فرقہ، کسی بھی مسلک، کسی بھی جماعت سے کیوں نہ ہو۔ یہ سب اوصاف ان کے ولی کامل ہونے کی بین دلیل ہیں اور غلام شاکر ایڈووکیٹ صاحب مسجد میں بالکل درست فرما رہے تھے کہ حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ درحقیقت غوثِ زماں تھے۔

میرے ساتھ ان کا مشفقانہ قلبی تعلق تقریباً پینتالیس سال پر محیط ہے۔ یہ خصوصی تعلق ۱۹۶۲ء میں قائم ہوا جب میں ایف اے کے امتحان کے سلسلہ میں آپ کے تعلیمی تجربہ اور تعاون سے استفادہ کرتا تھا۔ الحمد للہ آج تک قائم ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گا کیونکہ میری کمزوریوں کے باوجود آپ محبت کے ساتھ اس تعلق کو نباہ رہے ہیں۔

ان پینتالیس سالوں میں جو قیمتی گھڑیاں قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت صحبت میں گزریں وہ سب کچھ مجھے بار بار یاد آ رہا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کا میری والدہ مرحومہ کی تعزیت کیلئے بنفسِ نفیس اکوڑہ خٹک تشریف لانا اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ آپ کی کس قدر شفقت مجھ گنہگار پر

تھی۔

آج سے ٹھیک دس سال قبل ۱۹۹۴ء گیارہ رمضان المبارک کو میرے قبلہ گاہ صاحب دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ اب ٹھیک دس برس بعد قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا صدمہ انہیں ایام میں سہنا پڑا۔ اگرچہ حضرت مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ ظاہری طور سے پردہ فرما چکے ہیں لیکن ایسے اہل اللہ، اہل کرامت اور صاحبانِ ولایت ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

انہوں نے علم وعمل اور اخلاص وللّٰہیت اور معتقدین کے تزکیہ قلوب کا جو قیمتی اور پاکیزہ سرمایہ اپنے بزرگوں سے ورثہ میں پایا تھا وہ سارے کا سارا اپنی پاکیزہ زندگی کے روحانی اعمال واشغال کے ساتھ نہ صرف اپنی سعادتمند اولاد اور اپنے متبرک خاندان میں منتقل کر دیا بلکہ لاکھوں مریدین اور عقیدتمندوں کے سینوں میں صحیح عقیدۂ اہل سنت والجماعت کی شمع روشن کرنے کا لافانی اور لازوال کارنامہ انجام دے چکے ہیں۔

اپنے ان پاکیزہ اعمال اور روحانی اشغال کی برکت سے آنجناب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور اس صدقۂ جاریہ کی بدولت ہر لمحہ ان کو درجات کی بلندی نصیب ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے، ان کی قبر مبارک کو **روضة بین ریاض الجنة** فرمادے اور ہر لمحہ ان کے مرقد مبارک پر اپنے فضل وکرم، لطف واحسان اور انعام واکرام کی بارش کا نزول فرمائے اور ان کو جنت الفردوس کی لازوال نعمتوں سے قبر اور حشر میں مالا مال فرمائے---آمین!

درحقیقت حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستیاں اللہ تعالیٰ کے ہاں برگزیدہ اور مقبول ہوتی ہیں۔ دعا تو ہم اس لئے مانگتے ہیں اور آج ہمارے گھر کی طرح لاکھوں گھروں میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی اس لئے ہم کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل ہماری بھی عاقبت سنوار دے---آمین!

اس طرح حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کی روح بھی خوش ہوگی۔ اس وقت بے ساختہ حضرت علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آرہے ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے گویا خاص حضرت مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے انہوں نے لکھے

کیونکہ ان کا اطلاق پورے طور سے حضرت مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مقدسہ پر ہوتا ہے

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو تیرا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو تیرا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بقیہ: نورِ مصطفیٰ وسیلہ نورِ ربّ العلیٰ

وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارا چمکتا ہوا۔ تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت والے درخت کا، وہ زیتون ہے جو نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف یعنی وہ چراغ خود طاق میں نہیں رکھا بلکہ ایک قندیل میں ہے اور قندیل طاق میں رکھا ہے اور وہ قندیل ایسا صاف وشفاف ہے جیسا کہ ایک چمکدار ستارہ ہو اور وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو زیتون کا درخت ہے جو (بغیر کسی آڑ کے) نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رخ ہے (یعنی نہ اس کی شرقی جانب میں کسی درخت یا پہاڑ کی آڑ ہے کہ شروع دن میں اس پر دھوپ نہ پڑے اور نہ اس کی جانب غربی میں کوئی آڑ ہے کہ آخر دن میں اس پر دھوپ نہ پڑے بلکہ کھلے میدان میں ہے جہاں تمام دن دھوپ رہتی ہے ایسے درخت کا روغن بہت لطیف اور صاف وروشن ہوتا ہے)۔ یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (النور: ۳۵) قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئی ہو۔ روشنی پر روشنی۔ اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے اور بیان کرتا اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔"

(جاری ہے)

غزل

مظفر وارثی

منتظر رہنا بھی کیا چاہت کا خمیازہ نہیں
کان دستک پر لگے ہیں گھر کا دروازہ نہیں

ہاتھ پر تو نے مقدر کی لکیریں کھینچ دیں
کیا تجھے بھی میرے مستقبل کا اندازہ نہیں

دیکھنا چاہوں تو خوشبو، چھونا چاہوں تو ہوا
میرے دامن تک جو آئے تو وہ شیرازہ نہیں

دفن ہوں احساس کی صدیوں پرانی قبر میں
زندگی اک زخم ہے اور زخم بھی تازہ نہیں

تم ہی اے خاموشیو! پتھر اٹھا لو ہاتھ میں
کوئی نغمہ، کوئی نالہ، کوئی آوازہ نہیں

حسن پہچانے گی میرا، دیکھنے والی نظر
خوں تو ہے آنکھوں میں، چہرے پر اگر غازہ نہیں

مانگتے ہیں کیوں مظفر لوگ بارش کی دعا
تشنگی روح کا جسموں کو اندازہ نہیں

گزشتہ سے پیوستہ

ارشاداتِ غوثُ الصمدانی

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

مرتب: سید کامران شاہ بخاری (وڈپگہ)

سعی و عمل، دین کی سمجھ آخرت کی کھیتی

دین کی سمجھ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ”حق تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اُس کو دین کی سمجھ عطا کرتا اور نفس کے عیوب اس کو دکھا دیتا ہے۔“ دین کی سمجھ نفس کو پہچاننے کا ذریعہ ہے جس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا اس نے ہر چیز پہچان لی۔ اسی سے اس کو اللہ کا بندہ بننا اور غیر کی غلامی سے نکلنا آجاتا ہے۔ جب تک تو خدا تعالیٰ کو جملہ ماسواء پر، اپنے دین کو اپنی خواہشات پر، آخرت کو اپنی دنیا پر اور اپنے خالق کو مخلوق پر ترجیح نہ دے گا، تیرے لئے

ہے اور نہ نجات ہے۔

خواہش کو دین پر اور دنیا کو آخرت پر اور مخلوق کو خالق پر ترجیح دینے میں تیری بربادی ہے۔ اس پر عمل کر کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو (تیری ہر ضرورت کیلئے) کافی ہے تو خدا تعالیٰ سے محجوب ہے، تیری دعا قبول نہ ہو گی۔ قبولیت تو تعمیل حکم کے بعد ہوتی ہے، جب تو عمل کر کے اس کا حکم قبول کرے گا تو تیرے سوال کے وقت وہ تیری درخواست بھی منظور فرمائے گا۔ غلہ تو کھیتی کرنے کے بعد وجود میں آتا ہے، کھیتی کر کہ کاٹ نصیب ہو۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ”دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔“

دل کی زمین اور ایمان کے بیج

قلب میں وہ کھیتی بو جس کا بیج ایمان ہے۔ نگرانی اور سینچائی اعمال صالح سے ہے اگر اس دل کی زمین میں نرمی، رقت اور رحمت ہے تو کھیتی ضرور تیار ہوگی اور جب وہ سخت اور بدخو ہوگا تو زمین بنجر ہوگی اور اس میں پیداوار نہ ہوگی۔ جب تو پہاڑ کی چوٹی پر بیج بوئے گا تو وہ وہاں اگے گا نہیں بلکہ وہ ضائع ہونے کے زیادہ قریب ہے۔ اس کھیتی کا طریقہ زراعت پیشہ سے سیکھ صرف اپنی رائے کو کافی نہ سمجھ۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر صنعت میں اس کے ماہر سے مدد لیا کرو۔"

تو دنیا کی کھیتی میں لگ رہا ہے، آخرت کی کھیتی نہیں کرتا۔ کیا تو نہیں جانتا، طالبِ دنیا کو فلاح نہیں، آخرت کی طلب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہوتی۔ اگر تو آخرت چاہتا ہے تو دنیا کو چھوڑنا لازمی سمجھ اور اگر خدا کو چاہتا ہے تو ہر قسم کی لذتوں سے منہ موڑنا اور مخلوق سے کنارہ کرنا ضروری سمجھ۔ پھر یقیناً خدا تک رسائی ہوگی اور جب اچھی طرح قربِ الٰہی حاصل ہو جائے گا تو دنیا اور آخرت اور حظوظ اور مخلوق سب تبعاً اور چارو ناچار تیرے پاس آئیں گی کیونکہ اصل (خدا) تیرے ساتھ ہے اور ساری شاخیں اسی جڑ (یعنی حق تعالیٰ) کے ماتحت ہیں۔

ہل اللہ کا حلقہ

عقلمند بن، تیرے پاس ایمان اور عقل و تمیز کچھ بھی نہیں۔ تو مخلوق سے وابستہ اور ذا کا شریک بنائے ہوئے ہے۔ اگر تو نے توبہ نہ کی تو تباہ ہو جائیگا۔ اہل اللہ کے راستے سے ہٹ جا، لے در سے دور ہو، اپنے دل سے بے پرواہ ہو کر اپنے بدن کے شانہ ہلاتا ہوا ان کی صف میں مت گھس۔ پنے نفاق، دعوؤں اور ہوس کے ذریعہ ان میں شامل نہ ہو۔ اہل اللہ کے حلقہ میں تو صرف قلوب اور باطن ے ذریعہ، توکل کے سہارے، مصیبتوں پر صبر کرکے اور مقسوم پر راضی رہ کر ہی شریک ہو سکتا ہے۔

بت میں ثابت قدمی

عزیزم! خدا کے سامنے ایسا ہو جا کہ بلائیں نازل ہوں اور تیری محبت کا م نہ ڈگمگائے۔ تجھ میں تغیر نہ ہو، ہوائیں اور بارش تجھے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکیں، نہ برچھیاں زخم لگا ں۔ تو ظاہر و باطن میں ہر طرح جما رہے، ایسے مقام پر قائم رہے جہاں نہ مخلوق ہو نہ دنیا نہ آخرت، نہ

حقوق ہوں نہ لذتیں، نہ مجالِ چون و چرا۔ صرف حق تعالیٰ ہو اور کچھ نہ ہو۔ نہ مخلوق کے سامنے آنے سے تکدر ہو، نہ بال بچوں کیلئے فکر معاش، نہ کمی وبیشی سے تیری حالت تبدیل ہو، نہ تعریف و مذمت سے اور نہ کسی کی توجہ اور بے توجہی سے۔ تو خدا تعالیٰ کی معیت میں اس طرح رہے کہ جن و بشر، فرشتے اور ساری مخلوق کی عقل اور سمجھ سے باہر ہو۔ ایک بزرگ نے کیا اچھی بات کہی ہے ''اگر تو (اپنی طلب اور ارادے میں) سچا ہے تو خیر ورنہ ہمارے پیچھے نہ آ۔''

صبر و اخلاص جو کچھ میں نے تجھ سے بیان کیا ہے اس کی بنیاد صبر اور اخلاص ہے۔ تو چاہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ منافقت سے پیش آؤں اور نصیحت میں نرمی اختیار کروں۔ تو اپنے نفس پر اتراتا، ناز کرتا اور سمجھتا ہے کہ کچھ ہے۔ نہیں نہیں اس کی کوئی عزت نہیں۔ میں آگ ہوں اور آگ میں صرف سمندر جانور ہی رہ سکتا ہے جو آگ ہی میں انڈے بچے دیتا، اسی میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ کوشش کر کہ تو مصائب، مجاہدات اور مشقتوں کی آگ میں سمندر بن جائے اور قضا وقدر کے گرز کے نیچے صبر کر سکے تا کہ میری مصاحبت اور میرے کلام کے سننے اور اس کی سختی پر ظاہراً و باطناً اور اعلانیہ وخفیہ اس پر عمل کرنے میں ثابت قدم رہ سکے۔ اول اپنی خلوت میں دوم جلوت میں اور سوم اپنی سخاوت میں۔

پس اگر یہ بات تیرے لئے صحیح ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم و مشیت سے دنیا وآخرت دونوں میں تجھے فلاح حاصل ہو گی۔ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کیلئے میں کسی شخص کی بھی رورعایت نہیں کر سکتا۔ اور اس کے حکم کے بغیر مخلوق میں سے کسی کی طرف توجہ نہیں کر سکتا بلکہ اس کی مخلوق سے خدا کا حق لینے میں خدا تعالیٰ سے طاقت پاتا ہوں اور کمزور نہیں بنتا۔ ہاں مخلوق کے متعلق اپنے نفس کا ساتھ دیتا اور اس کے ساتھ قوی ہو جاتا ہوں۔

کسی بزرگ کا قول ہے ''مخلوق کے متعلق خدا کی موافقت کر اور خالق کے بارے میں مخلوق کی موافقت نہ کر جس کو ٹوٹنا ہو ٹوٹ جائے اور جس کو جڑنا ہو جڑ جائے۔'' میں کس طرح تیری پرواہ کر سکتا ہوں جبکہ تو خدا کا نافرمان، اس کے اوامر ونواہی کی تحقیر کرنے والا، اس کی قضا وقدر پر اس سے نزاع رکھنے والا

اور رات دن اس کی عداوت میں سرگرم ہے اور خدا کا معتوب وملعون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک کلام میں فرمایا ”میری اطاعت کی جاتی ہے تو میں راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں تو برکت عطا کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی حد نہیں اور جب نافرمانی کی جاتی ہے تو غصہ ہوتا ہوں اور جب غصہ ہوتا ہوں تو لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت سات پشتوں تک پہنچتی ہے۔“

یہ وہ زمانہ ہے کہ دین کو ایک انجیر کے بدلہ بیچ دیا جاتا ہے۔ بڑی بڑی امیدوں اور حرص وہوس کا زمانہ ہے۔ تو کوشش کر کہ ان لوگوں میں سے نہ بنے جن کے بارے میں خدا تعالیٰ نے کہا ہے ”ہم متوجہ ہوئے ان کے اعمال کی طرف جو انہوں نے کیے تھے پس ان کو پراگندہ غبار بنا دیا۔“ ہر وہ عمل جو غیر اللہ کیلئے کیا جائے پراگندہ غبار ہے۔ تجھ پر افسوس! اگر تیری حالت عوام سے پوشیدہ بھی رہی تو خواص سے تو چھپی نہیں رہ سکتی۔ تیرا کھوٹ دیہاتی سے چھپ سکتا ہے لیکن صراف سے نہیں، جاہل سے چھپا رہے لیکن عالم سے چھپا نہ رہے گا۔

عمل کر اور اس میں اخلاص پیدا کر اور اللہ تعالیٰ سے سروکار رکھ۔ بے نفع چیزوں میں مشغول نہ ہو۔ تیری ذات کے سوا سب انہی میں سے ہیں جن سے تجھ کو کوئی نفع نہیں۔ تو ان سے سروکار نہ رکھ۔ صرف اپنے نفس کی فکر کر یہاں تک کہ اس کو مغلوب وذلیل، اپنا قیدی اور اپنی سواری بنا کر دنیا کا میدان طے کر۔ یہاں تک کہ آخرت تک پہنچ جائے اور اس پر سوار ہو کر مخلوق کو طے کرے حتیٰ کہ خالق سے جا ملے۔ جب حالت تیرے لئے تکمیل کو پہنچ جائے گی اور تجھ میں قوت آ جائے گی تو دوسرے شخص کو بھی تو اپنے پیچھے بٹھا سکے گا اور اس کو دنیا سے نکال کر خدا تک پہنچا سکے گا اور حکمتوں کے نوالے تو اس کو کھلا سکے گا۔

عزت بقدرِ ہمت

ہمیشہ سچ بول اور تاویلیں نہ کر، تاویلیں کرنے والا دھوکے باز ہے۔ مخلوق سے نہ خوف کھا، نہ امید رکھ کہ یہ ایمان کی کمزوری ہے۔ اپنی ہمت بلند رکھ، اس سے رفعت حاصل ہوگی۔ بیشک خدا تعالیٰ تجھ کو تیری ہمت اور سچائی اور اخلاص کے مطابق عطا فرمائے گا۔ کوشش کر، درپے عمل ہو اور (توفیق کا) طالب بن کہ تجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا لیکن تیرا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح روزی کمانے میں محنت کرتا ہے اسی طرح نیک عمل کرنے میں تکلیف اور مشقت اٹھا۔ عوام سے شیطان اس طرح کھیلتا ہے

جس طرح کوئی سوار اپنے گیند سے کھیلے کہ جدھر چاہتا ہے اپنے گھوڑے کو گھماتا ہے۔ شیطان بھی اسی طرح عوام کو چکر دیتا ہے۔ ان کے دلوں کی گدی پر چپت مار کو جو چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ انہیں خانقاہوں سے نیچے لاتا، مسجدوں سے نکالتا اور (غلاموں کی طرح) اپنی خدمت میں کھڑا رکھتا ہے۔ نفس شیطان کی ان سب کاروائیوں میں اس کا معاون ہوتا اور اس کیلئے اس کے سامان مہیا کرتا ہے۔

غم دنیا کو غم جاناں بنالو

اے عزیز! اپنے نفس کو بھوک کے کوڑے لگا اور شہوتوں، لذتوں اور نازو نعم سے باز رہنے کی سزا دے اور اپنے قلب کو خوف و مراقبہ کے چابک رسید کر۔ استغفار کو اپنے نفس اور قلب اور باطن کی عادت بنا کہ ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک جداگانہ گناہ ہے جو اس کیلئے مخصوص ہے۔ ان کو ہر حال میں موافقت اور اطاعت میں مشغول رکھ۔ اے کم سمجھ! جب تقدیر کا رد کرنا یا اس کو بدلنا، مٹانا یا اس کے خلاف کرنا تیرے لئے ممکن نہیں ہے تو اس کے ارادہ کے خلاف تو ارادہ ہی کیوں کرتا ہے۔

جب تجھ کو وہی ملتا ہے جو خدا چاہتا ہے تو پھر تجھے کسی چیز کا ارادہ ہی نہ کرنا چاہئے اور جب وہ چیز ہو ہی نہیں سکتی جس کو وہ نہ چاہے تو اپنے نفس اور قلب کو بلاوجہ مشقت میں نہ ڈال۔ سب کچھ اپنے پروردگار کے سپرد کر دے، اس کی طرف رجوع کر، توبہ کے ہاتھ سے اس کی رحمت کا دامن تھام لے۔ جب تو ہمیشہ اس حالت پر قائم رہے گا تو دنیا تیری ظاہری اور باطنی آنکھوں سے گر جائے گی اور دنیا کی مصیبتوں کا برداشت کرنا اور اس کی شہوتوں اور لذتوں کا چھوڑنا تجھ کو سہل ہو جائے گا اور تجھے اس کے ڈسنے اور ڈنگ مارنے کی شکایت نہ ہوگی۔

تیرے نفس اور مصیبت کی تکلیف کا یہ حال ہو جائے گا جیسے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالی عنہا کا حال تھا۔ جب فرعون کو ان کے ایمان کی تحقیق ہوگئی تو اس کے حکم سے حضرت آسیہ رضی اللہ تعالی عنہا کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی میخیں ٹھونک دی گئیں اور چابکوں سے ان کو مارا جانے لگا۔ حضرت آسیہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو دیکھا کہ جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور فرشتے اس میں ایک محل تیار کر رہے ہیں۔ اسی وقت ملک الموت ان کے پاس ان کی روح قبض کرنے آئے اور کہا یہ محل تمہارا ہی ہے۔ پس وہ ہنس دیں اور سزا کی تکلیف جاتی رہی اور کہا ’’اے پروردگار! اپنے

قریب جنت میں میرے لئے گھر بنا۔"

پس اسی طرح تو بھی ہو جائے گا کیونکہ جو کچھ وہاں نعمتیں ہیں تو ان کو قلب و یقین کی آنکھ سے دیکھے گا اور یہاں کی بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرے گا اور اپنی طاقت اور زور (کے گھیرے سے) باہر نکل جائے گا۔ تیرا لین دین، نقل و حرکت اور ٹھہرنا سب خدا ہی کے زور و قوت سے ہوگا، تو اس کے آگے اپنے آپ کو مٹا دے گا، اپنے کام اس کے سپرد کر دے گا، اپنے اور مخلوق کے بارے میں اس کی موافقت کرے گا۔ اس کی تدبیر میں اپنی تدبیر کو دخل نہ دے گا، اس کے حکم کے ساتھ اپنا حکم نہ چلائے گا اور اس کے اختیار کے ساتھ اپنے اختیار کو کام میں لائے گا۔ جو اس کیفیت سے باخبر ہو جاتا ہے وہ اس کے سوا کسی اور کا طلبگار نہیں ہوتا اور نہ اس کے سوا اس کی کوئی اور تمنا رہتی ہے۔ عقلمند اس حالت کی آرزو کیوں نہ کرے کیونکہ خدا کی صحبت اس کے بغیر پوری طرح حاصل ہی نہیں ہوتی۔

تصرفاتِ الٰہی اچھی طرح سمجھ لے کہ ساری چیزیں اسی کے حرکت دینے سے حرکت میں آتی ہیں اور اسی کے ٹھہرانے سے ٹھہرتی ہیں۔ جب یہ بات (مومن کیلئے) ثابت ہوگئی تو اس نے مخلوق کو شریکِ خدا سمجھنے کے بوجھ سے راحت پائی اور مخلوق کو اس سے راحت ملی کیونکہ نہ تو وہ ان کی عیب جوئی کرتا ہے اور نہ ان سے اپنے لئے کوئی چیز مانگتا ہے۔ سوائے ان چیزوں کے جن کا مطالبہ ان سے شریعت کر رہی ہے۔ شرعاً ان سے مطالبہ کرتا ہے اور علم کی رو سے ان کو معذور سمجھتا ہے تاکہ حکم اور علم کو یکجا کرے۔ مخلوق میں فعل خداوندی کو دیکھنا ایسا عقیدہ ہے جس سے حکم نہیں ٹوٹتا۔ وہی تقدیروں کو مقرر کرنے والا اور وہی مطالبہ کرنے والا ہے۔ "وہ جو کچھ کرے اس سے اس کی پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی اور مخلوق سے پوچھ گچھ ہوگی۔" ہر مسلمان صاحبِ یقین و موحد کا جو اللہ تعالیٰ سے راضی اور اس کی قضا و قدر اور مخلوق میں اس کے تصرفات کا قائل ہے، یہی عقیدہ ہے۔

کمال محبت اللہ تعالیٰ تجھ سے اور تیرے صبر سے بے نیاز ہے لیکن وہ یہ دیکھتا ہے کہ تو کیا کرتا ہے اور اپنے دعویٰ میں سچا ہے یا جھوٹا؟ محب اپنے قبضے میں کوئی چیز نہیں رکھتا۔ سب کچھ اپنے محبوب کے حوالہ کر

دیتا ہے۔ محبت اور ملکیت ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھنے والا اپنا مال، اپنا نفس، اپنا انجام سب اسی کے حوالے کر دیتا ہے۔ اپنے نفس اور دوسروں کے متعلق اس کو مختار کل بنا دیتا ہے۔ اس کے تصرفات پر اعتراض نہیں کرتا، جلدی نہیں مچاتا اور اس کو بخیل نہیں سمجھتا۔ اس کی طرف سے ہر ملنے والی چیز اس کو میٹھی معلوم ہوتی ہے۔ ایک سمت (یعنی خدا) کے سوا جملہ اطراف اس کیلئے بند ہو جاتی ہیں۔

اے محبت الٰہی کے مدعی! جب تک تیرے حق میں جملہ اطراف مسدود ہو کر صرف ایک طرف باقی نہ رہ جائے گی تیری محبت کامل نہ ہوگی۔ تیرا محبوب عرش سے لے کر زمین تک ساری مخلوق کو تیرے دل سے نکال دے گا۔ پھر تو نہ دنیا کو محبوب سمجھے گا نہ آخرت کو۔ اپنی ذات سے بھی تجھے وحشت ہوگی۔ صرف اس کی ذات سے انس ہوگا۔ تو لیلیٰ کے مجنوں کی طرح ہو جائے گا کہ جب اس کے دل میں محبت سما گئی تو مخلوق سے کنارہ کشی کر کے تنہائی پسند ہو گیا، وحشی جانوروں سے جا ملا۔ آبادی سے بھاگ کر ویرانہ میں [illegible] جائے گا۔ لوگوں کی تعریف و ہجو سے بے نیاز ہوگا۔ لوگوں کا کلام اور ان کی خاموشی اسے یکساں معلوم ہوگی۔ ان کی خوشی و ناخوشی اس کے نزدیک برابر ہوگی۔

ایک دن کسی نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہا لیلیٰ! کسی اور نے پوچھا ''کہاں سے آ رہے ہو؟ کہا لیلیٰ۔ پھر اس نے پوچھا کہ کہاں جا رہا ہے؟ کہا لیلیٰ۔ غرض لیلیٰ کے سوا ہر چیز سے آنکھیں بند کر لیں اور اسکے ذکر کے سوا ہر بات سے بہرا بن گیا۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اسے لیلیٰ سے روگردان نہ کر سکی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ''جب محبت رگ رگ میں سما جاتی ہے اس وقت جو لوگ (نصیحت کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ) ٹھنڈے لوہے پر چوٹ مارتے ہیں (یعنی نصیحت بالکل بے اثر ہوتی ہے)۔''

یہ دل جب خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور اس کا مقرب بن جاتا ہے تو مخلوق اور اس کے پاس ٹھہرنے سے گھبراتا ہے۔ کھانے پینے، لباس اور نکاح سے بھی اس کو وحشت ہوتی ہے۔ آبادی سے گھبرا کر سراسیمہ و پریشان ویرانہ کی طرف بھاگتا ہے۔ امر شریعت [illegible] سوا کوئی چیز اسے روک نہیں سکتی۔ بس یہی امر و نہی اس کو مقید کرتے ہیں اور فعلِ خداوندی نزول تقدیر کے وقت اس کو قید کر لیتا ہے (نہ فرائض و محرمات کی تعمیل سے گھبراتا ہے اور نہ امور تقدیر سے بے قرار ہوتا ہے [illegible]

یا اللہ! ہم کو اپنی رحمت کے ہاتھ سے نہ چھوڑ ورنہ ہم دنیا اور وجود کے دریا میں ڈوب مریں گے۔ اے کرم اور عقول اور تقدیر کے بخشندہ! ہم کو سہارا دے۔ اے عزیز! جو میرے قول پر عمل نہیں کرتا وہ اس کو سمجھتا بھی نہیں۔ جب تو عمل کرے گا جبھی سمجھے گا بھی۔ جب تجھ کو میرے ساتھ حسن ظن ہی نہیں اور جو کچھ میں کہتا ہوں نہ تو اس پر یقین رکھتا ہے اور نہ اس پر عمل کرتا ہے تو پھر کس طرح سمجھے گا؟ تو بھوکا ہے کہ میرے سامنے کھڑا ہے لیکن میرے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوتا۔ پھر تیرا پیٹ کیسے بھرے گا؟ ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ”جو شخص ایک رات بیمار رہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو اور جو تکلیف اس پر نازل ہوئی ہے اس پر صابر ہو تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا باہر نکل جاتا ہے جیسے اس دن (بے گناہ تھا) جب کہ اس کو ماں نے جنا تھا۔“

تجھ سے کچھ ہو بھی نہیں سکتا اور عمل کئے بغیر چارہ بھی نہیں۔ حضرت معاذ ؓ صحابہ سے کہا کرتے تھے کہ ”کھڑے ہو جاؤ، آؤ ایک ساعت کیلئے تو ایمان لے آئیں۔ مقصد یہ تھا کہ کھڑے ہو جاؤ، ایک ساعت کیلئے تو (ایمان کا) ذائقہ چکھ لو۔ ایک ساعت کیلئے تو خاص دروازے میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت معاذ ؓ کا یہ فرمانا صحابہ پر شفقت کی نظر سے تھا کہ دقیق باتوں سے آگاہ ہونے کا اشارہ اور یقین کی آنکھ سے دیکھنے کا ایما فرماتے تھے (کیونکہ) ہر مسلمان مومن نہیں ہوا کرتا اور ہر مومن صاحب ایقان نہیں ہوتا۔ اسی لئے جب صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ معاذ ؓ ہم سے کہتے ہیں کہ ”کھڑے ہو جاؤ، آؤ ایک ساعت کیلئے ایمان لے آئیں، یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم مومن نہیں؟ حضور رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا ”معاذ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔“

تین کسوٹیاں

اے نفس، اپنی خواہش، اپنی طبیعت، اپنے شیطان اور اپنی دنیا کے بندے! نہ خدا کے نزدیک تیری کچھ قدر و منزلت ہے اور نہ اس کے نیک بندوں کے نزدیک۔ جو شخص بندہ آخرت بنتا ہے، میں اس کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ پھر اس کا تو ذکر ہی کیا جو دنیا کا بندہ بنا ہوا ہے۔ تجھ پر افسوس! کام کئے بغیر زبانی جمع خرچ سے تیرا کام نہیں چلے گا۔ تو جھوٹا ہے اور اپنے کو سمجھتا ہے کہ سچا ہے۔ شرک کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنے کو سمجھتا ہے کہ صاحب توحید ہے۔ تو بیمار ہے اور اپنے نزدیک تندرست سمجھتا

ہے۔ تیرے پاس کھوٹ ہے اور تو خیال کرتا ہے کہ وہ جوہر ہے۔ میرا کام تیرے ساتھ یہی ہے کہ تجھے جھوٹ سے منع کروں اور سچائی کی تاکید کروں۔

میرے ہاتھ میں تین کسوٹیاں ہیں جن سے (کھوٹے کھرے کو) پرکھتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب، رسول اللہ ﷺ کی سنت، اور میرا قلب۔ آخری کسوٹی (قلب) پر عکس پڑتا ہے۔ قلب اس منزل پر نہیں پہنچتا جب تک کتاب وسنت پر اس کا پوری طرح عمل نہ ہو۔ علم پر عمل کرنا علم کا تاج ہے، علم پر عمل کرنا علم کا نور ہے، صفائی کی صفائی ہے، جوہر کا جوہر اور مغز کا مغز ہے۔

علم پر عمل کر کے قلب پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ جب قلب درست ہوتا ہے تو اعضاء بھی درست ہو جاتے ہیں۔ جب قلب پاک وصاف ہو جاتا ہے تو اعضاء بھی پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ جب قلب کو خلعت (تقویٰ) عطا ہوتا ہے تو جسم کو بھی خلعت ملتا ہے۔ جب گوشت کے اس ٹکڑے کی اصلاح ہو جاتی ہے تو بدن کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ قلب کی صحت اس باطن کی صحت پر موقوف ہے جو انسان اور اس کے پروردگار کے درمیان ہے۔ باطن (گویا) پرندہ ہے اور دل اس کا پنجرہ۔ دل پرندہ ہے تو بدن اس کا پنجرہ اور بدن ایک پرندہ ہے تو قبر اس کا پنجرہ۔ قبر ساری مخلوق کا پنجرہ ہے کیونکہ انجام کار سب کو اس میں جانا ہے۔

صبر وتوکل

بزرگی اور عزت جناب نبی کریم ﷺ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص سب سے زیادہ باعزت ہونا چاہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ضروری ہے اور جس کو پسند ہو کہ وہ سب سے زیادہ طاقتور بنے تو وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔ اور جس کو سب سے زیادہ دولت مند ہونا پسند ہو اس کو اپنی ملکیت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت پر اعتماد رکھنا چاہئے۔ جو شخص دنیا و آخرت میں عزت چاہتا ہے اسے خدا کا خوف رکھنا ضروری ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے ''بیشک خدا کے نزدیک تم میں سب سے

زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے"عزت (خدا کا) خوف رکھنے میں ہے اور ذلت اس سے انحراف کرنے میں۔ جو خدا کے دین میں قوی ہونا چاہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ضروری ہے کیونکہ توکل دل کو صحت بخشتا، قوت دیتا، مہذب بناتا، ہدایت کرتا اور عجائبات دکھلاتا ہے۔

تو اپنے سونے چاندی اور اسباب پر بھروسہ نہ کر کہ یہ تجھ کو عاجز اور کمزور کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ وہ تجھ کو قوت دے گا اور مدد کرے گا۔ تجھ کو عنایات سے نوازے گا اور ایسی جگہ سے فتوحات لائے گا جہاں تیرا گمان بھی نہ جائے گا۔ تیرے قلب کو اس قدر قوت بخشے گا کہ نہ تجھ کو دنیا کے آنے جانے کا غم ہوگا اور نہ مخلوق کی توجہ و بے توجہی کی پرواہ ہوگی۔ اس وقت تو سب سے قوی ہوگا اگر تو نے اپنے مال و جاہ و متعلقین اور اسباب پر بھروسہ کیا تو خدا تعالیٰ کے غصہ اور ان چیزوں کے زوال کا نشانہ بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑے غیرتمند ہیں، وہ تیرے دل میں کسی غیر کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

دنیا و آخرت کی دولت جو شخص دنیا و آخرت میں دولتمند بننا چاہتا ہے اس کو بھی صرف خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے کسی اور سے نہیں، اسی کے در پہ کھڑا رہے دوسرے کے دروازے پر جانے سے شرم کرے۔ اور دوسرے کی طرف دیکھنے سے اپنی آنکھیں بند کر لے یعنی دل کی آنکھیں بند رکھے نہ کہ بدن کی۔ جو چیزیں تیرے ہاتھ میں ہیں تو ان پر کیسے بھروسہ کرتا ہے جب کہ وہ زوال پذیر ہیں اور خدا تعالیٰ پر تاد کرنا چھوڑتا ہے جس کو کبھی زوال نہیں۔ خدا تعالیٰ سے تیری ناواقفیت ہی تجھ کو غیر خدا پر بھروسہ کرنے کیلئے آمادہ کرتی ہے۔

تیرا خدا پر اعتماد کرنا پوری تونگری ہے اور اس کے سوا کسی اور پر بھروسہ کرنا سراسر افلاس ہے۔ اے تقویٰ سے گریز کرنے والے! دنیا و آخرت کی عزت سے تو محروم ہو گیا اور اے مخلوق اور اسباب پر بھروسہ کرنے والے! تو دنیا اور آخرت میں قوتِ خداوندی سے محروم رہا۔ اے اپنے ہاتھ کی چیزوں پر اعتماد رکھنے والے! تو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی تونگری سے محروم رہا۔

(جاری ہے)

تبصرۂ کتب

(تبصرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ارسال کئے جائیں)

عنوان: اغثنی یارسول اللہ

مرتب: حضرت علامہ مولانا محمد منشاء تابش قصوری مدظلہ العالی

سالِ اشاعت: ستمبر ۲۰۰۵ء

صفحات: ۱۹۲

ناشر: رضا اکیڈمی، محبوب روڈ، رضا چوک، مسجدِ رضا چاہ میراں لاہور۔

تبصرہ نگار: سید محمد انور شاہ قادری

(لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳، پشاور شہر)

کتابِ ہذا کے مرتب حضرت علامہ مولانا محمد منشاء تابش قصوری مدظلہ العالی ایک جید عالمِ دین، خطیب، مدرس، مصنف اور نعت گو شاعر کی حیثیت سے علمی و ادبی اور دینی حلقوں میں معروف ہیں لیکن ان کی سب سے بڑی پہچان عشقِ رسول ﷺ ہے۔ اسی عشقِ رسول ﷺ کا اظہار والہانہ انداز سے زیرِ تبصرہ کتاب میں کیا گیا ہے۔

علامہ تابش مدظلہ العالی نے پیارے محبوب ﷺ کے حضور اپنی حالتِ زار بیان کرتے ہوئے استغاثہ لکھا اور کیا خوب لکھا جن کا مقصد

یہی ہے آرزوئے زندگی تابش قصوری کی
دمِ آخر رخِ زیبا دکھا دو یا رسول اللہ!

اور پھر اسی انداز سے لکھے گئے منظوم ہدیہ عقیدت جمع کرنے لگے تو بعض شعراء کرام کی توجہ اس

طرف مبذول کروا کے ان سے "یارسول اللہ" کی ردیف پر مبنی گلہائے مدحت لکھوائے۔ اس طرح عربی، فارسی، اردو، پنجابی، سرائیکی، سندھی، ہندی اور ترکی میں تقریباً ڈیڑھ سو شعراء کے نعتیہ کلام کا ایک حسین گلدستہ نعت تیار ہو گیا جن کی بحریں اور وزن تو مختلف ہیں لیکن ردیف سب کی "یارسول اللہ" ہے جو مرتب کے ندرتِ خیال، جدتِ فکر، حسنِ عقیدت، ذوقِ سلیم اور حبِ رسول ﷺ کا آئینہ دار ہے۔ اس سے نعت گو شعراء کو اظہار عقیدت کیلئے ایک نئی جہت ملی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ دیگر زبان میں لکھے گئے گلہائے نعت بھی اس میں جگہ پاتے رہیں گے۔

ان روح پرور استغاثوں میں ایک خاص قسم کا کیف و سرور، سوز و گداز اور جذب و شوق پایا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہیں اور آپ ﷺ ہماری فریاد سن رہے ہیں۔ اس کیفیت سے ایک قسم کا روحانی سکون میسر آتا ہے کیونکہ اس سخی داتا کے دربار سے کوئی خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹتا۔ یوں دل کی دنیا سے مایوسی اور شک کے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں اور امید و یقین کی مشعل فروزاں ہو جاتی ہے۔

ان محبت بھرے استغاثوں کا انتخاب "اغثنی یارسول اللہ" کے عنوان سے پہلی بار ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد بھی متعدد مرتبہ اشاعت پزیر ہو کر اہل محبت کے قلوب و اذہان کو منور کرتا رہا۔ زیر نظر ایڈیشن رضا اکیڈمی لاہور کے ایماء پر الحاج شیخ محمد یونس صاحب (صدر انجمن تاجران لاہور) نے پیارے محبوب ﷺ کے ساتھ اپنی محبت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے طبع کروایا اور مفت تقسیم کرنے کی سعادت حاصل کی۔ سرورق پر گنبدِ خضریٰ کے عکس نے اس کے حسن و جمال کو چار چاند لگا دیئے۔

یہ مقدس و نفیس کتاب بیرونی حضرات مبلغ تیس روپے کے ڈاک ٹکٹ ناشر کے پتہ پر بھیج کر مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

غزل

اختر انصاری دہلوی

لطف لے لے کے پیے ہیں قدحِ غم کیا کیا
ہم نے فردوس بنائے ہیں جہنم کیا کیا

آنسوؤں کو بھی پیا جرعۂ صہبا کی طرح
ساغر و جام بنے دیدہ پُر نم کیا کیا

حلقۂ دامِ وفا، عقدۂ غم، موجِ نشاط
یہ زمانہ بھی دکھاتا ہے چم و خم کیا کیا

لذتِ ہجر کبھی، عشرتِ دیدار کبھی
آرزو نے بھی طبیعت کو دیئے دم کیا کیا

کس کس انداز سے کھٹکے رگِ گل کے نشتر
تپش افروز ہوئے شعلۂ شبنم کیا کیا

شامِ ویراں کی اداسی، شبِ تیرہ کا سکوت
دلِ محزوں کو ملے ہمدم و محرم کیا کیا

ہائے وہ عالمِ بے نام کہ جس عالم میں
بیت جاتے ہیں دلِ زار پہ عالم کیا کیا

دب گئے منتِ مزدور سے ایواں کتنے
جھک گئے غیرتِ مفتوح سے پرچم کیا کیا

تھے مسلح غمِ معشوق سے گو ہم اختر
پھر بھی دکھلائے غمِ دہر نے دم خم کیا کیا